حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۷ھ) کی

سندِ حدیث وشیوخِ سند

اور علمی دنیا پران کے روشن نقوش

مقالہ نگار

تلمیذ شیخ الاسلامؒ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم

استاذ ونگران شعبہ تخصص فی الحدیث

جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی (پاکستان)

اس مقالہ کا اصل موضوع:

حضرت مدنی کی سند حدیث ''الاجازۃ المسندۃ'' کا تحقیقی جائزہ پیش کرنا ہے لیکن مسنِد (روایتِ حدیث کی سند دینے والی) شخصیت کی عظمت کا اندازہ حسبِ ذیل چند ''عنوانات'' سے کیا جاسکتا ہے اسلئے ان پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حضرت مدنیؒ اپنی نظر میں

حضرت مدنیؒ کی زندگی کے گوناگوں پہلو ہیں جن کا احاطہ میرے بس سے باہر ہے۔ ابوتمام نے سچ کہا ہے۔

اذا شئت أن تحصی فضائل علمه

فکن کاتباً أو فاتّخذ لك کاتبا

کہ اگر تو انکی علمی خوبیوں کو شمار کرنا چاہے تو خود لکھنے کیلئے بیٹھ جا یا کوئی کاتب مقرر کرلے۔

میں نے شرح ملاّ سے دورے تک دیوبند میں پڑھا ہے۔ اس کی مختصر داستان مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی کتاب "ہزار سال پہلے" میں لکھی ہے۔[1] ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۶۹ھ تک سوائے ایک برس ۱۹۴۷ء کے جو قیام پاکستان کے بعد کراچی میں گزرا تقریباً پانچ برس کی مدت ہے۔ جس میں حضرت کو دیکھنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ میں نے حضرت کو ریش مبارک پر خضاب لگا ہوا بھی دیکھا ہے اور قیام پاکستان کے بعد بغیر خضاب کے بھی دیکھا ہے۔ عربی تقریر کرتے ہوئے تو بار بار سنا تھا لیکن فارسی بولتے کبھی نہ دیکھا تھا چنانچہ خان برادرس عبدالغفار خان اور ان کے بڑے بھائی (متوفی ۱۳۰۹ھ-۱۹۸۸ء) کی دیوبند میں آمد پر حضرت کی فارسی میں برجستہ تقریر سننے کی سعادت بھی حاصل ہے۔

وہ تقریر بھی یاد ہے کہ جب مسلم لیگ اور کانگریس کی کشمش اپنے عروج پر تھی دیوبند کے ناظم تعلیمات کے دفتر میں ایک محرر کی زبان سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ نامناسب الفاظ نکلے قریب تھا کہ وہ طلبہ کے ہاتھوں مارے جاتے اور طوفان بپا ہوتا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دورے پر

---

[1] مقدمہ ہزار سال پہلے، ص ۳۰ تا ۴۹ تالیف حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔

تھے، انہیں تار دے کر بلوایا گیا، حضرت مدنی نے دار الحدیث میں ایسی تقریر فرمائی کہ جوشیلوں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا: ''جو بھی میرے متعلق کچھ کہتا ہے، میں اگر ویسا ہوں تو وہ سچ کہتا ہے اور اگر میں ویسا نہیں جیسا وہ کہتا ہے تو مجھ پر احسان کرتا ہے، میرا محسن ہے۔''

پھر فرمایا: ''میں تو ایسا ہوں کہ حدیث بھی تنخواہ لے کر پڑھاتا ہوں، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ (۱۳۱۵ھ-۱۴۰۲ھ/ ۱۸۹۸ء-۱۹۸۲ء) کو دیکھو وہ بغیر تنخواہ لیے پڑھاتے ہیں، میں ایسا ہوں کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہم کی صحبت میں رہا، لیکن ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا، میرے پاس آج تک اتنا روپیہ نہ ہوا کہ اپنا ذاتی مکان بنواتا۔''

غیر ان کی نظر میں

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارحِ صحیح مسلم (۱۳۰۵ھ-۱۳۷۸ھ/ ۱۸۸۷ء- ۱۹۴۹ء) کی وفات کی خبر جب دار العلوم دیوبند پہنچی، تو تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جیسا کہ ہر ایک جانتا ہے حضرت مدنیؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سیاسی راستے جداگانہ تھے، "مکالمۃ الصدرین" جسے مولانا محمد طاہرؒ برادر مولانا قاری محمد طیبؒ نے قلمبند کیا تھا، وہ شائع بھی ہو چکا ہے، اس امر کا شاہد عدل ہے، اس کے باوجود حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علمی کمالات وخوبیوں اور فضائل ومناقب پر ایسی روشنی ڈالی کہ شاید و باید۔ دوسروں کی خوبیاں ایسی بیان فرماتے تھے کہ سننے والے بھی دنگ رہ جاتے تھے۔

قاری محمد طیبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند (۱۳۱۵ھ-۱۴۰۳ھ/ ۱۸۹۷ء-۱۹۸۳ء) پاکستان آئے تھے یہیں رہ گئے تھے، لیکن یہاں کے حالات سے برگشتہ ہو کر حضرت مدنیؒ کو خط لکھا۔ حضرت مدنیؒ نے ویزا دلوایا دیوبند آنے پر انہیں جو استقبالیہ دیا (میں اس میں خود شریک نہ تھا، بزرگوں سے سنا ہے) خاندانی شرافت وعظمت اور ذاتی کمالات، دار العلوم دیوبند میں ان کی خدمات کے متعلق جو فرمایا اس نے سامعین کو حیرت میں ڈال دیا، اور حضرت قاری صاحبؒ نے جواب میں یہی فرمایا کہ "حشر کے دن بھی حضرت میرے متعلق یہ کلمات فرمائیں تو ان شاء اللہ نجات ہو جائے گی۔" اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں اور غیروں کو کیسا اچھا سمجھتے اور ان کے کمالات کے کیسے قدردان اور شیدا تھے،

یہ سب کچھ حضرت حاجی صاحبؒ کے ادنیٰ فیضِ صحبت کا اثر تھا اور حدیث "اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً" (اے اللہ مجھے اپنی نظر میں حقیر بنائے رکھ) پر عمل کا شاہد عدل تھا۔

ننگِ اسلاف

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جامع صفات ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اسلاف کے لیے باعث شرم سمجھتے اور اردو میں اس نسبت سے، نام سے پہلے اپنا تعارف "ننگ اسلاف" سے کراتے اور اپنے آپ کو یہی سمجھتے بھی تھے ,ہمارے بزرگوں کا یہی شیوہ رہا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۲۳۳ھ- ۱۳۱۷ھ/۱۸۱۸ء-۱۸۹۹ء) نے ۱۲۸۲ھ میں "ضیاء القلوب"[1] لکھی تھی اس میں اپنے مجاز حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے متعلق رقم طراز ہیں:

وئیز ہر کسں کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب را و مولوی محمد قاسم سلمہما را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند، بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق ازمن شمارند، اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد , کہ او بجائے من و من بمقام اوشاں شدمُ وصحبت اوشاں راغنیمت دانند کہ ایں بچنیں کساں, دریں زمان نایاب اند، وازخدمت بابرکت ایشان فیضیاب بودہ باشندو طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد, در نظرشان تحصیل نمایند، ان شاء اللہ بے بہرہ نخواہندماند اللہ تعالی در عمر شان برکت دہاد وازتمامی نعماء عرفانی و کمالات قربیت خود مشرف گرداناد وبمراتبات عالیات رساند , وازنور ہدایت شان عالم را منور گرداناد, و تاقیامت فیض اوشان جاری داراد بحرمة النبی وآلہ الأمجاد۔

جو بھی اس فقیر سے عقیدت و محبت رکھتا ہے اور میرا مرید ہے وہ مولوی رشید احمد صاحب (گنگوہیؒ) اور مولوی محمد قاسم صاحب (نانوتویؒ) سلمہما کہ جو ظاہری و باطنی تمام علوم و کمالات کے جامع ہیں انہیں اس فقیر راقم الحروف کے برابر بلکہ مرتبہ میں مجھ سے بھی بلند تر سمجھے اگر چہ بظاہر معاملہ برعکس ہو گیا کہ یہ حضرات بجائے اس کے کہ میں ان سے بیعت ہوتا یہ مجھ سے بیعت ہو گئے اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے ,کیونکہ اس زمانے میں ان جیسی شخصیات نایاب ہیں اور ان کی بابرکت صحبت سے فیض اٹھانا چاہئے اور اس رسالے میں سلوک کا جو طریقہ لکھا گیا ہے ان کے زیر نگرانی حاصل کرے، ان شاء اللہ فائدہ سے محروم نہیں رہے گا اللہ تعالی انؒ (حضرات مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب) کی عمر میں برکت دے، اور اپنی معرفت کی تمام نعمتیں اور اپنے قرب کے تمام کمالات سے نوازے اور بلند مراتب پر پہنچائے ان کے نور ہدایت سے عالم کو روشن کرے ان کے فیض کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل کے صدقے جاری رکھے۔

---

[1] ضیاء القلوب، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصحیح کے ساتھ مطبع مجتبائی ,میرٹھ سے ۱۲۸۴ھ میں چھپی مولانا قاسم نانوتویؒ کی تصحیح کا ذکر محمد حسین فقیر نے اپنے ذیل کے اشعار میں کیا ہے۔

بعد الحمد ایں ضیاء قلب — طبع گردید بے لغزش ورا
آنکہ تصحیش ہمت کار بسہب — دانکہ مولانا محمد قاسم است

آج عالم اسلام حضرت حاجی صاحبؒ کی دعا اور فیوض و برکات سے منور ہے۔

انہی کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نام کے ساتھ "ننگ اسلاف" کا لفظ لکھتے تھے اور حضرت حاجی صاحبؒ سے نسبت رکھنے والے بعض حضرات، جیسے حضرت شیخ الہندؒ "بندہ" لکھتے تھے۔

بعض حضرات نے حضرت حاجی صاحبؒ کو حضرت گنگوہیؒ سے برگشتہ کرنے کیلئے خط لکھا اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت گنگوہی کو جو خط لکھا وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا خط بنام مولانا گنگوہیؒ

بسم الله الرحمن الرحيم,

نحمده و نصلي على رسوله الكريم, از فقير امداد الله عفى عنه,

بخدمت فیضدرجت جامع شریعت و طریقت عزیزم مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی متع اللہ بطول حیاتہ، دمر اعداہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مکتوب برکت اسلوب مورخہ چہاردہم رمضان شریف بدست مولوی ممتاز صاحب دردوسرور لایا، ممنون ومسرور ہوا، اللہ تعالی آپ کو بایں عنایت ومحبت مکروہات دارین سے محفوظ رکھ کر کونین میں درجات عالیات قرب ورضا عطاء فرمائے ۔مولانا آپ کی تحریر باعث انشراح قلب وموجب جمعیت خاطر فقیر ہے۔اس لیے آرزو ہے کہ ہمیشہ اپنی خیروعافیت وحالات ظاہروباطن سے مسرور و مبتہج فرماتے رہو آپ کے اس خط کے ہر لفظ اور ہر فقرہ سے عجب کیفیت وشیفتگی پیدا ہوئی۔

اے وقت تو خوش کہ وقت ماخوش کر دی

مولانا! "ضیاء القلوب" میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے۔وہ آپ سے نہیں لکھا گیا، جیسا القاء ہوا۔ہے ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے پس بدیہیات کو نہ ماننا اور اپنے ذریعہ نجات، وسیلہ فلاح داریں سے علیحدگی کرنا سخت جہالت ومحرومی و اِدبار ہے۔خارج کرنا چہ معنی؟ فقیر تو تم علماء وصلحا کی جماعت میں اپنا داخل ہو جانا موجب فخر دارین وذریعہ نجات وسیلہ فلاح کونین یقین کرتا ہے اور اللہ تعالی سے بھی یہی دعا ہے کہ تم صالحین کی محبت میں جلادے یا مارے وہ شخص مُدبر ہے جو تم مقدس ومقتدائے زمان سے کچھ دل

میں کینہ یا سوئے ظن یا بدعقیدگی یا عداوت رکھے، فقیر تو آپ کی سب حرکات وسکنات واقوال وافعال کو منبع حسنات وبرکات وموافق شریعت وطریقت سمجھتا ہے۔اور کل امور میں مخلص وصادق یقین کرتا ہے الخ۔[1]

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں حسب معمول "ننگ اسلاف" لکھا حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں جو خط تحریر فرمایا، اس میں لفظ "ننگ" کو اپنے نام کے ساتھ اس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے، ذرا ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں: ''ننگِ انام ،اشرف برائے نام'' [2] سجع (کلام موزوں) ایسا عمدہ ہے کہ داد سے بالاتر ہے اور حضرت حاجی صاحبؒ کی تربیت کا آئینہ دار ہے، تاہم یہ حضرت تھانویؒ کا معمول نہ تھا۔

ہمارے بزرگوں کا مذاق کیسا ستھرا ہے اور جامع صفات ہونے کے باوجود، ہر ایک اپنے آپ کو اپنی نظر میں کیسا حقیر سمجھتا تھا یہی وجہ ہے کہ خلق خدا انہیں کیسا بزرگ سمجھتی اور ان سے اپنی آخرت سنوارتی اور رہنمائی پاتی تھی۔

ذٰلك الفضل من اللّٰه

[1] مکاتیب رشیدیہ شائع کردہ مکتبہ دینیہ لاہور، ۱۹۸۳ء

[2] یہاں "علی" کا لفظ چھوڑ دیا ہے کہ اس کی عظمت کو ٹھیس پہنچنے کا خطرہ تھا اس لئے صرف "اشرف" پر اکتفا کیا۔

Scanned by CamScanner

جامع کمالات

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ شیخ الہندؒ کے کمالات کے جامع تھے انہی سے ان کا فیض اطراف عالم میں زیادہ پھیلا ہے۔ شیخ الہند کی صحبت اور ان سے استفادے کی سعادت، جتنی حضرت مدنی کو نصیب ہوئی۔[1] اس میں کوئی ہم عصر ان کا شریک و سہیم نہیں۔

حضرات صوفیہ کے یہاں اصل چیز "صحبت شیخ" ہے، چنانچہ حضرت سعید بن مسیبؒ جن کا نام مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں سرفہرست آتا ہے، وہ صحابی کی تعریف میں طول صحبت کا اعتبار کرتے ہیں۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت شیخ کیسی اکسیر ہے۔

شیخ نے ایک بار درس حدیث کے دوران منصور حلاجؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ منصور "انا الحق" کا نعرہ لگا بیٹھے، صوفیہ میں ایسے بھی گزرے ہیں۔

دریاہا نوشیدند و آروغے نمی گیرند

(کہ دریا چڑھا گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لی)

حضرت مدنیؒ کی حضرت گنگوہیؒ سے بیعت

۱۳۲۶ھ میں حضرت گنگوہیؒ نے بیعت فرمالیا، مگر کچھ تلقین نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے بیعت تو کرلیا،

---

[1] چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ (۱۳۱۴ھ-۱۳۹۵ھ/ ۱۸۹۷ء-۱۹۷۶ء) الازدیاد السنی (فہرست شیوخ) میں رقم طراز ہیں۔

زین المشاهد و المنابر ، بقية اولئك الاكابر العارف بالله المجاهد في سبيل الله حضرة الشيخ مولانا حسين احمد المدني ادامه الله تعالى ، بقي مدظله من ريعان عمره تحت نظر حضرة الشيخ شيخ الهند وكان كبعض عياله بل من اعز عترته فقرأ ما قرأ تحت نظره وقرأ عليه كتباً عديدةً من الفنون المختلفة ولا سيّما كتب الحديث فلا احصى عدد قراء تها عليه مرة بعد مرة حتى عاد مرجع الخلائق في العلم والارشاد فاقرء الفنون برمتها ولا سيّما العلوم الحديثية مدة مديدة في المدينة المنورة تجاه من هو مبدأ الاحاديث ومنتها ها صلى الله عليه وسلّم

اور جلسہ گاہوں اور محرابوں کی زینت اور بزرگوں کے جانشین اور خدا شناس، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے حضرت مولانا حسین احمد مدنی، اللہ ان کی عمر دراز کرے۔ حضرت موصوف نے اپنی عمر کا ابتدائی زمانہ حضرت شیخ الہندؒ کی نگرانی میں گزارا، یہاں تک کہ وہ ان کے کنبے کے فرد کی طرح تھے بلکہ انکی اولاد سے بھی زیادہ عزیز تر تھے۔ موصوف نے جو پڑھا وہ انہی کی زیر نگرانی پڑھا، گوناگوں علوم و فنون کی کتابیں خاص طور پر حدیث کی کتابیں، شیخ الہندؒ سے بار بار پڑھیں کہ میں انہیں گن کر نہیں بتا سکتا آخر کار وہ علم حدیث اور تربیت و طریقت میں مرجع خلائق بن گئے۔ سارے علوم پڑھائے خاص طور سے زمانہ دراز تک مدینہ منورہ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے علوم حدیث کا درس دیا جو حدیثوں کا سرچشمہ اور مبدأ و منتہا ہے۔

[2] مقدمہ ابن الصلاح ومحاسن الاصطلاح۔ تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن ص: ۴۸۷، دار المعارف القاہرہ، ۱۳۶۱ھ

اب تم مکہ معظمہ جارہے ہو، وہاں حضرت (قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ) موجود ہیں ان سے عرض کرنا کہ وہ ذکر تلقین فرمائیں گے۔[1]

سفر حج کرتے ہوئے جبکہ اواخر ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ میں حاضری مکہ معظمہ نصیب ہوئی تو جائے قیام پر اسباب وغیرہ منظم کرنے کے بعد حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے یہاں صبح کو حاضر ہونے کی عزت نصیب ہوئی، موصوف اس وقت بہت ضعیف ہوگئے تھے، اکثر لیٹے رہتے تھے، صبح کو مثنوی شریف پڑھایا کر تے تھے، اس وقت پلنگ پر کچھ دیر بیٹھ جاتے تھے، مولانا محبّ الدین صاحب مرحوم اور مولانا شفیع الدین صاحب مرحوم اور چند حضرات حاضر درس ہوتے تھے، جب ہم سب مع والد مرحوم حاضر بارگاہ ہوئے تو حضرت قطب عالم نے بہت توجہ فرمائی، حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا سلام و پیام سن کر بہت خوش ہوئے اور دیر تک نہایت محبت سے تذکرہ فرماتے رہے اور فرمایا کہ تمنا ہے کہ ایک مرتبہ پھر زندگی میں ان سے ملاقات ہو جاتی۔

بالآخر ہم دونوں بھائی (سید احمد صاحب اور راقم الحروف) نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے ہم کو بیعت تو کر لیا تھا مگر یہ فرمایا تھا کہ تلقین ذکر حضرت سے حاصل کر لینا تو آپ نے پاس انفاس کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ روز صبح کو آ کر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو چنانچہ جب تک مکہ معظمہ میں رہنا ہوا حتی الامکان روز حاضر ہوتے رہے چونکہ زمانہ حج قریب تھا اس لیے جلد ہی وہ وقت آ گیا کہ جس میں عرفات، منٰی وغیرہ کا سفر ہوا، حج سے فارغ ہونے کے بعد پھر خدمت میں چند دنوں حاضری کا شرف حاصل ہوا، جب قافلہ حجاج اخیر عشرہ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں مدینہ منورہ کو روانہ ہونے لگا تو خلاف معمول بعد از ظہر ہم تینوں کو حاضری کا شرف

[1] نقش حیات ص ۸۷ خودنوشت سوانح حیات (حضرت مولانا حسین احمد مدنی) شائع کردہ: الجمعیت پریس دہلی ۱۳۷۲ھ-۱۹۵۳ء

حاصل ہوا۔

حضرت نے بہت شفقت فرمائی اور سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تم کو اللہ تعالی کے سپرد کر تا ہوں ہم نے سکوت کیا تو فرمایا کہ کہو ہم نے قبول کیا ہم نے حسب تلقین عمل کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی ہم نے رخصتی مصافحہ کیا اور پھر مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کچھ ایسی مشغولیتیں پیش آئیں کہ تعلیم کردہ ذکر پر مداومت نہ ہوسکی، چند مہینہ کے بعد حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ماہ جمادی الاولیٰ میں وصال ہو گیا۔[1]

حضرت حاجی صاحبؒ کی اجازت بزبانِ حضرت گنگوہیؒ

حضرت مدنیؒ کو طریقت میں اجازت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت گنگوہیؒ دونوں سے حاصل ہے حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں:

اس بحری سفر میں، میں نے ایک شب کو خواب دیکھا کہ حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں مکہ معظمہ میں حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا کہ تو جو کھجوریں مدینہ منورہ کی دے گیا ہے۔ اس کو آ کر تقسیم کر دے، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو آپ کے لیے لایا ہوں میرے یہاں تو ان کی دوکان ہے۔ تو فرمایا کہ "نہیں تو ان کو تقسیم کر دے، میں جانتا ہوں کہ ہندوستان میں کھجوریں کن دقتوں سے حاصل ہوتی ہیں اس خواب کو میں نے گنگوہ شریف پہنچ کر جب حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز سے ذکر کیا تو فرمایا کہ "تجھ کو حضرت حاجی صاحبؒ کے ہاں سے اجازت ہو گئی۔ میرے یہاں سے بھی ہو جائے گی۔ اس تعبیر پر میں شرمندہ ہو گیا کیونکہ میرے وہم وخیال میں بھی اس وقت اجازت حاصل کرنے کی طلب نہ تھی۔[2]

[1] نقش حیات ص ۷۹ تا ۸۰۔
[2] نقش حیات ص ۸۴۔

حضرت مدنیؒ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر:

حضرت انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ-۱۹۳۳ء) نے جب دارالعلوم دیوبند کو خیر باد کہا اور ڈابھیل، سورت چلے گئے، دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث کے منصب پر کسی امام فن کے تقرر کا مسئلہ پیش آیا، باوجودیکہ حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کا سیاسی مسلک جداگانہ تھا، لیکن دارالعلوم دیوبند کے مفاد کے پیش نظر، شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین کے منصب کے لیے موزوں ترین شخصیت ان کی نظر میں حضرت مدنیؒ ہی کی تھی اس لیے حضرت تھانویؒ نے انہی کے تقرر کی رائے دی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور آپ کے رفقاء کے استعفاء کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کا تقرر بعہدہ صدر مدرسی دارالعلوم دیوبند میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے عمل میں آیا، اور حسب ذیل تجویز مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند قیدِ تحریر میں لائی گئی:

حضرت مولانا حسین احمد کا تقرر بعہدہ صدر مدرس بمشاہرہ ما صـــ ۱۵۰ ماہوار تارخ کارکردگی سے مجلس شوریٰ کو منظور ہے حضرت ممدوح کی اعلیٰ شخصیت اور تبحرِ علمی کے لحاظ سے مشاہرہ مذکور بالکل ناقابل ہے۔ مگر حضرت ممدوح کی اخلاص نیت و خدمت دارالعلوم کے جذبات سے ہم کو توقع ہے کہ حضرت ممدوح اس کو منظور فرما کر مجلس شوریٰ کو شکر گزاری کا موقع دیں گے اور دارالعلوم کی حالت پر اپنی توجہات اور اخلاق بزرگانہ سے نظرِ التفات فرما کر حسبۃً للہ پورے طور پر سنبھالنے کی کوشش فرمائیں گے، جیسا کہ حضرت ممدوح کے استاد بزرگ حضرت شیخ الہندؒ کا طریقہ عمل تھا۔

فقط اشرف علی ۲۰ رجب ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۸ء

کمترین جمیل احمد، محمد مسعود احمد، محمد حسن مراد آبادی، محمد اشفاق، احقر محمد اسحاق عفی عنہ، محمد عبدالرحمٰن مظہر حسن بقلم خود۔ [1]

آمدم برسرِ مطلب!

اس عظیم شخصیت کی روایت حدیث کی ''یک ورقی سند اجازت'' پر جس کا مختصر عنوان "الاجازة المسندة لسائر الكتب و الفنون المتداولة' ' ہے، روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جس کے چشمہ فیض سے عرب وعجم سب ہی سیراب ہورہے ہیں اور میرے علاوہ ان کے لائق شاگردوں [2] سے اور شاگردوں کے شاگردوں سے تشنگان علوم برابر اپنی علمی تشنگی دور کررہے ہیں۔ اسے ہر شاگرد ہر دلعزیز رکھتا، اس نسبت کو سرمایہ آخرت سمجھتا، اپنی تالیفات میں نقل کرتا، اس نسبت سے اپنی سند بھی شاگردوں کو دیتا ہے۔ حضرت مدنیؒ کے بعض شاگرد جب اپنے شاگردوں کو یہ سند دیتے ہیں۔ اس پر وظیفہ خوار طلبہ سے پچاس روپے کی رقم بھی مدرسہ کے نام سے وصول کرتے ہیں تو یہ بیچارے طلبہ زبان حال سے یہ صدا لگاتے ہیں۔

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

---

[1] حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ فرمائیے:

۱- الازدیاد السنی علی الیانع الجنی (۱۹ تا ۲۳)
۲- نقش حیات
۳- تاریخ دار العلوم دیوبند
۴- ماہنامہ الرشید میرٹھ کا خاص نمبر
۵- نزھۃ الخواطر ۸/۱۱۰ تا ۱۲۱
۶- آپ بیتی
۷- اکابر دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں
۸- شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات
۹- الداعی خاص نمبر
۱۰- الجمعیۃ خاص نمبر
۱۱- اسیران مالٹا
۱۲- علماء دیوبند اور علم حدیث کی خدمات
۱۳- مشاہیر دار العلوم دیوبند
۱۴- علماء ہند کا شاندار ماضی
۱۵- کاروان احرار
۱۶- بیس بڑے مسلمان
۱۷- مشائخ دیوبند کی دوصد سالہ تاریخ تصوف
۱۸- الاعتدال فی مراتب الرجال
۱۹- تکملۃ الاعتدال
۲۰- علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے
۲۱- پاک بھارت کے علماء کے کارنامے شخصیات وکتب
۲۲- پرانے چراغ
۲۳- تشنیف الأسماع بشیوخ الاجازة والسماع ۱۷۰، ۱۷۱ حیات شیخ الاسلام، مقدمہ انوار الباری، (ان حوالوں کا تذکرہ صاحب الکلام المفید فی تحریر الأسانید نے اپنے مقالہ میں کیا ہے)

[2] چنانچہ ہندوستان اور پاکستان کے دو نامور عالم، ایک جامعہ علوم اسلامیہ، کراچی کے استاذ الحدیث اور بانی، معارف السنن کے مصنف علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور دوسرے دار العلوم کورنگی کراچی کے بانی و مؤسس مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع عثمانیؒ دیوبندی جنہیں حضرت مدنیؒ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے اور مؤخر الذکر کو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ثبت شیوخ کی تدوین کی سعادت حاصل ہے چنانچہ موصوف نے سب سے پہلے "الازدياد السني على اليانع الجنی" میں حضرت شیخ الہند کی اسانید کو الدر المنضود فی اسانید شیخ الهند محمود، حضرت تھانویؒ کی اسانید کو "الأعرف الحلی من اسانید الشیخ اشرف علی"، حضرت مدنی کی اسانید کو سلسله الزبرجد فی اسانید الشیخ حسین احمد، اور حضرت انور شاہ کی اسانید کو المسك الازفر من اسانید الشیخ محمد انور، کے نام سے عربی میں مرتب و مدوّن کیا ہے۔

میرے علم میں نہیں کہ کسی دانشور و محقق نے حضرت مدنیؒ کی مذکورہ بالا سند پر روشنی ڈالی ہو ان وجوہ سے میں نے اس مختصر سند کو اپنے اس مقالے کا موضوع بنایا ہے۔

اس مختصر سند کے حسب ذیل تین اجزاء ہیں۔

﴿پہلا جز﴾ حمد وثنا اور صلوۃ وسلام پر مشتمل ہے۔ جو نرالا پر کشش اور عربی ادب کا شہ پارہ ہے۔

﴿دوسرا جز﴾ ہندوستان کے نامور محدثین و مسندین کی اسناد پر مشتمل ہے اس میں علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہرین کے سلسلہ اسناد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ جن علماء سے علوم متداولہ کے تلمذ کا سلسلہ قائم ہے وہ بھی ارباب زہد وتقوی ہیں اور سلسلۂ طریقت کے آفتاب و ماہتاب ہیں، جیسا کہ ضیاء القلوب کی عبارت سے عیاں ہے اور انہی وجوہ سے اس سند میں اس پہلو کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے اور حدیث وفقہ اور کلام میں ان کے فتوے چھپے ہوئے موجود ہیں۔ حدیث میں ان کی درسی تقریریں سب ہی زیور طبع سے آراستہ ہیں اور ان کے کمال فن پر شاہد عدل ہیں۔

﴿تیسرا جز﴾ حجاز کے حنفی و شافعی نامور مسندین کی عالی سند سے آراستہ ہے۔ ان شخصیات کی جلالت شان، زہد وتقوی، تحقیقی وعلمی خدمات کے نور سے عالم منور ہو رہا ہے۔ اپنے اساتذہ کے ناموں کو حضرت مدنیؒ نے جس ترتیب سے سند میں ذکر کیا ہے اسی ترتیب سے ان کی علمی خدمات کا مختصر تذکرہ ہدیۂ قارئین ہے جو سند کی اہمیت وعظمت کا شاہد ہے۔ یہ سند بلاشبہ بہت مختصر ہے ان میں اپنے شیوخ کی صفات میں سے بھی ناگزیر صفات کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔

☆ ماخذ وثبت شیوخ میں بھی "الیانع الجنی" "القول الجمیل" اور "حصر الشارد" کا نام لیا ہے اور وغیرہ کا لفظ بڑھا کر دوسرے اثبات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

☆ اس میں صوفیانہ صفات کا زیادہ اہتمام کیا جو چشتیت وخشیت الٰہی کا مظہر ہے۔

☆ عالی سند کی طرف اشارہ تک نہیں کیا بلکہ جس سند میں زیادہ واسطے آئے ہیں اسے نقل کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ فقہا محدثین کی سند ہے، جس میں واسطے زیادہ ہونے کی وجہ سے سند نازل ہوتی ہے لیکن

تفقہ کی وجہ سے محدثین کے ہاں شیوخِ حدیث کی سند سے جس میں واسطے کم ہوتے ہیں عالی سمجھی جاتی ہے۔[1]

☆ صوفیہ کے یہاں کثرت وسائط زیادہ بہتر سمجھے جاتے ہیں اس لیے کہ صوفیہ کے یہاں واسطوں کی کثرت باعث برکت وعظمت سمجھی جاتی ہے [2] اور حضرت مدنیؒ کا سلسلہ سند اس امر کا شاہد عدل ہے حضرت مدنیؒ تعلق مع اللہ میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے اس لیے اس سند میں روحانی رشتے کا زیادہ اہتمام پایا جاتا ہے۔

☆ جن فقہا محدثین کا اس سند میں نام آیا ہے۔ان میں مولانا خلیل احمدؒ ''صاحب بذل المجہود'' کی جو سند مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ عن الشاہ محمد اسحاق عن الشاہ عبدالعزیز ہے۔شیخ الہندؒ کے سلسلۂ سند سے اس کا سلسلہ سند عالی ہے۔اس لیے کہ اس میں شاہ محمد اسحاق تک صرف دو واسطے ہیں جبکہ شیخ الہندؒ کی سند میں تین واسطے ہیں۔

اکابر دیوبند کے طبقہ میں حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی سندیں عالی ہیں، وہ عمر اور طبقہ میں ان سے بڑے تھے، حضرت مدنیؒ شیوخ حجاز کی سند میں، شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے بدو واسطہ روایت کرتے ہیں اور یہ سند ان کی بہت عالی ہے۔ملا عابد سندھیؒ (۱۲۵۷ھ) سے بھی بدو واسطہ روایت کرتے ہیں اس لیے ان کی یہ سند بھی عالی ہے۔حضرت مدنیؒ ان حجازی شیوخ کے واسطے سے حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ہمسر ہو جاتے ہیں۔

---

[1] چنانچہ امام وکیع بن جراح (م ۱۹۷ھ) احادیث میں فقہاً کی سند کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ خطیب بغدادیؒ ''الکفایہ'' میں لکھتے ہیں کہ علی بن خشرم سے منقول ہے کہ ''ان دو سندوں'' اعمش عن ابی وائل عن عبداللہ......اور سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہؓ میں سے کون سی سند تمہیں زیادہ اچھی لگتی ہے ہم نے کہا اعمش عن ابی وائل......(زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتی ہے) وکیعؒ نے فرمایا سبحان اللہ عجیب بات کی ہے اعمش بھی محدث ہیں اور ابووائل بھی محدث ہیں اور سفیان فقیہ ہیں منصور فقیہ ہیں۔ابراہیم فقیہ ہیں اور علقمہ فقیہ ہیں اور جو حدیث فقہا کی سند سے آئے وہ محدثین کے سلسلۂ سند سے بہتر اور عالی ہے (الکفایہ فی علم الروایہ، خطیب بغدادی ص:۴۳۶)

[2] محبی نے احمد بن علی شناویؒ (م ۱۰۲۸ھ) کی بہت مفید باتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک فائدہ ہدیہ قارئین ہے:

ومن فوائده (اى الشناوى) ......و فى اسانيد نا الاولىٰ كثرة الرجال بخلاف اسانيد المحدثين فالمراد فيها قلة الرجال لسهولة النقد والمراد هنا كثرة الرجال لتقوى المدد وتعظيم السند فان للمتقدم علىٰ المتاخر زيادة وله عليه امداد و افادة (خلاصة الاثر للمحبى ۱/۲۴۴)

صوفیہ کے سلسلہ میں کثرت وسائط زیادہ اچھا ہے اور محدثین کی سندوں میں کم واسطے زیادہ بہتر ہوتے ہیں کیونکہ راویوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے نقد و جرح میں سہولت ہوتی ہے اور طریقت کی سند میں رجال کی کثرت زہد و تقویٰ کا باعث ہوتی ہے اور سند کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔کیونکہ متقدم کو مؤخر پر فضیلت ہوتی ہے اور اس کی مدد مؤخر کے شامل حال ہوتی ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اسانید کا اجمالی خاکہ

۱۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن محمد قاسم النانوتویؒ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۲۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن محمد قاسم النانوتویؒ عن احمد علی سہارنپوریؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۳۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن رشید احمد الگنگوہیؒ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۴۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن رشید احمد الگنگوہیؒ عن احمد علی سہارنپوریؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۵۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن مظہر النانوتوی .... عن الشاہ محمد اسحاقؒ دو واسطے

۶۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہند عن القاری عبدالرحمان الفانی فتیؒ .... عن الشاہ محمد اسحاقؒ دو واسطے

۷۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیخ عبدالعلی عن قاسم النانوتوی عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۸۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیخ خلیل احمدؒ عن قاسم النانوتویؒ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۹۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیخ خلیل احمدؒ عن رشید احمد الگنگوہیؒ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۱۰۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیخ خلیل احمدؒ عن عبدالقیوم البدھانویؒ .... عن الشاہ محمد اسحاقؒ دو واسطے

۱۱۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیوخ الحجازیین الاربعۃ رحمہم اللہ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ دو واسطے

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور عرب تلامذہ

۱۔ مولانا احمد بساطیؒ (مدینہ طیبہ میں نائب قاضی رہے)

۲۔ محمود عبد جوادؒ (مدینہ منورہ کی میونسپلٹی کے چیئرمین)

۳۔ مولانا عبدالحفیظ کردیؒ (مدینہ میں ہائی کمانڈ کے رکن)

۴۔ مشہور الجزائری عالم اور مجاہد شیخ بشیر ابراہیمیؒ [1]

۵۔ ابوتراب علی بن عبدالحق ظاہریؒ [2]

---

[1] ماخوذ از ''بیس بڑے مسلمان'' ص ۴۶۶

[2] ابوتراب ظاہری (مولود ۱۳۴۳ھ)

علامہ، محدث، لغوی......ابوتراب (موصوف کے تین نام ہیں'' علی، عمر، عبدالجلیل'') ابن عبدالحق بن عبدالواحد بن محمد ہاشم ہاشمی، عمری، ہندی۔ اپنی کنیت سے مشہور ہیں موصوف مختلف لغات عربی، فارسی، اُردو اچھی طرح جانتے ہیں۔

موصوف نے اکثر علماء حرمین شریفین سے اور جو حرمین شریفین میں دوسری جگہ سے آنے والے علماء تھے ان سے تعلیم حاصل کی۔

لغت، ادب اور سیرت وغیرہ دیگر فنون میں تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

(۱) الآثار المقتفی لقصة هجرة المصطفى، مطبوعہ دار القبلہ جدہ ۱۴۰۵ھ

(۲) أصحاب الصفه، مطبوعہ دار القبلہ ۱۴۰۴ھ

موصوف کا ضخیم کتب خانہ جو مطبوعات اور مخطوطات کے مصادر اصلیہ سے مالا مال ہے اور تمام اطراف واکناف سے طالب علم استفادہ کے لئے وہاں آتے ہیں۔

۶۔ حافظ محمد بن موسیٰ بن حمید (۱۳۳۵ھ - ۱۴۱۸ م)

۷۔ محمد زہیر بن مصطفیٰ شاویش (مولود ۱۳۴۴ھ)

۸۔ عبدالکریم بن عبداللہ مرغینانی

۹۔ ابوبکر بن احمد

۱۰۔ محمد یاسین فادانی[۱] (۱۳۳۵ھ-۱۴۱۰ھ)

۱۱۔ ابراہیم ختنی (۱۳۱۴ھ ، ۱۳۸۹ھ)

---

[۱] محمد یاسین فادانی (۱۳۳۵ھ-۱۴۱۰ھ)

شیخ علامہ بلند مرتبے والے مختلف علوم کے ماہر معاصرین میں ممتاز، دین کی نشانی، محمد یاسین بن محمد عیسیٰ بن فادانی کی شافعی اصلاً انڈونیشی تھے۔

مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے قرآن مجید حفظ کیا اور عربی وفقہ کے ابتدائی علوم پڑھے اور علم توحید اور فن فقہ، نحو، فرائض اور مصطلح کے متداول متون زبانی یاد کیئے۔ اسی مدرسہ اور حرم شریف میں دار العلوم دینیہ سے فراغت کے بعد اسی میں مختلف علوم وفنون کی تدریس میں مشغول ہوئے چنانچہ حدیث اور فقہ شافعی اور اصول فقہ شافعی اور قواعد فقہ اور نحو، صرف اور بلاغت اور علم فلکیات میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

موصوف کو فن اسناد اور فن روایت حدیث میں کامل دسترس حاصل تھی۔ موصوف نے نفع بخش اور علمی تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں جن میں اکثر چھپ گئی ہیں۔ چند ایک کے نام مندرجہ ذیل ہیں

۱. بغیۃ المشتاق شرح لمع الشیخ ابی اسحاق (دو جلدیں)

۲. تعلیقات علی شرح منظومہ الزمزمی (فی اصول التفسیر)

۳. طبقات الشافعیہ الصغریٰ

۴. طبقات الشافعیہ الکبریٰ

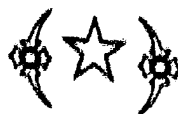
اسانید کے موضوع پر موصوف کی ۶۵ تصانیف ہیں۔ موصوف کے بعض تلامذہ نے ان کی اسانید کی تخریجات لکھی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ اعلام القاضی والدانی ببعض ماعلا من اسانید الفادانی جمع کردہ شیخ محمود سعید ممدوح قاہری (شائع ہو چکی ہے)

۲۔ بلوغ الامانی فی التعریف بشیوخ و اسانید مسند العصر الشیخ محمد یاسین الفادانی (جمع کردہ محمد مختار الدین شافعی متوفی ۱۴۱۱ھ یہ ۹ جلدوں میں ہے جن میں سے ۳ جلدیں چھپ گئی ہیں)

۳۔ تشنیف الاسماع بشیوخ الاجازۃ والسماع (جمع کردہ محمود سعید قاہری پہلے دار الشباب قاہرہ سے ۱۴۰۲ھ میں چھپی تھی پھر دار البشائر سے ۱۴۲۱ھ میں چھپی) (معجم المعاجم والمشیخات ۳/۱۸ تا ۶۸)

(ماخوذ از: معجم المعاجم والمشیخات، اعداد: یوسف عبدالرحمان المرعشلی، مکتبہ الرشد، الریاض طبعہ اولی ۱۴۲۳ھ)



شیوخِ سند:

حضرت مدنیؒ کی سندِ حدیث میں شیوخِ حدیث کے اسمائے گرامی جس ترتیب پر مذکور ہیں اسی ترتیب پر ان کے حالات کو بیان کیا جاتا ہے، وہ ترتیب حسبِ ذیل ہے:

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
۲۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
۳۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
۴۔ مولانا مملوک علی نانوتویؒ
۵۔ مفتی صدر الدین دہلویؒ
۶۔ مولانا رشید الدین دہلویؒ
۷۔ شاہ عبد الغنی دہلویؒ
۸۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ
۹۔ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ
۱۰۔ شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ
۱۱۔ ملا محمد عابد سندھیؒ
۱۲۔ مولانا مظہر نانوتویؒ
۱۳۔ مولانا قاری عبد الرحمٰن پانی پتیؒ
۱۴۔ مولانا عبد العلی میرٹھیؒ
۱۵۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
۱۶۔ شیخ حسب اللہ مکی شافعیؒ
۱۷۔ شیخ عبد الجلیل برّادہؒ
۱۸۔ مفتی عثمان بن عبد السلام داغستانیؒ
۱۹۔ شیخ احمد بن اسماعیل برزنجی

[1] ہم یہاں شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبد العزیزؒ کے حالات بیان نہیں کئے گئے کیونکہ ان دونوں حضرات کے تفصیلی حالات راقم سطور نے اپنی کتاب "فوائدِ جامعہ" (شائع کردہ: نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب، کراچی ۱۹۸۳ء) میں بیان کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:
(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، فوائدِ جامعہ، ص ۲۷۶-۲۸۲ (۲) شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ، فوائدِ جامعہ، ص ۲۶۹-۲۷۶

﴿۱﴾ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۲۶۸ھ-۱۳۳۹ھ/۱۸۵۱ء-۱۹۲۰ء)

شیخ الہند مولانا محمود حسن بن ذوالفقار علی عثمانی دیوبندی ۱۸۹۱ء بریلی میں پیدا ہوئے نشوونما دیوبند میں پائی۔ سید احمد دہلوی (المتوفی ۱۳۰۷ھ) اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (۱۲۴۷ھ-۱۳۰۲ھ) سے پڑھا اور مولانا قاسم نانوتویؒ سے تعلیم وتربیت پائی اور ایک مدت دراز تک ان کی صحبت میں رہے اور ممتاز عالم بن گئے۔ ۱۲۹۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھانا شروع کیا۔ حضرت گنگوہیؒ سے خلافت پائی۔ مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ نے موصوف کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔[1]

''الشيخ العالم الكبير العلامه المحدث. اعلم العلماء فی العلوم النافعة واحسن المتاخرين ملكة فی الفقه واصوله واعرفهم بنصوصه وقواعده.''

شیخ، بڑے عالم، علامہ، محدث، نفع بخش علوم میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ فقہ واصول فقہ میں متاخرین علماء میں سب سے اچھا اور صحیح ملکہ رکھتے تھے اور نصوص فقہ اور اس کے قواعد کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ اپنا مشاہدہ و تأثر بیان کرتے ہیں:

''میں موصوف سے بار بار ملا ہوں انہیں میں نے عبادت کرتے، تہجد پڑھتے اور نقل روایت میں درست پایا، بات کی تہہ تک جلد پہنچنے والا دیکھا، علمی مذاکرے سے بہت رغبت رکھتے، فقہ واصول فقہ سے پوری طرح باخبر تھے، متون حدیث انہیں از بر تھے۔ آخری عمر میں تدریس وفتویٰ میں سیادت وقیادت انہی پر ختم تھی۔ ۱۳۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس وافتاء کی سیادت انہیں ملی۔ یہاں ۱۳۳۲ھ تک پڑھایا۔ ۲۷ برس حدیث پڑھائی پھر حج کے لئے گئے اور ۱۳۳۵ھ میں حجاز سے گرفتاری کے بعد انہیں مالٹا بھیجا گیا۔ ۳ سال اور چند ماہ وہاں رہے پھر رہائی ہوئی ۱۳۳۸ھ میں ہندوستان آئے اور ۱۳۳۹ھ میں وفات پائی۔''

مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ موصوف کے متعلق نزہۃ الخواطر میں رقم طراز ہیں:[2]

---

۱ نزہۃ الخواطر، ۴۶۵/۸

۲ نزہۃ الخواطر، ۴۶۵/۸

كان محمود حسن آية باهرة في علوّ الهمة وبعد النظر والأخذ بالعزيمة وحبّ الجهاد في سبيل الله، قد انتهت اليه الامامة في العصر الاخير في البغض لا عدآء الإسلام والتشديد عليهم مع ورع وزهادة واقبال إلى الله بالقلب والقالب والتواضع والإيثار على النّفس، وترك التكلّف وشدّة التقشّف والانتصار للدين والحق وقيام في حق الله وكان دائم الإبتهال وقوى التّوكل ثابت الجأش سليم الصّدر جيد التّفقه، جيد المشاركة في جميع العلوم العقلية والنقليّة مطلعاً على التّاريخ، كثير المحفوظ في الشعر والأدب، صاحب قريحة في النظم، واضح الصّوت، موجز الكلام في انضمام وبيان، تمتاز دروسه بالو جازة والدقة والإقتصار على اللب، كثير الأدب مع المحدثين والأئمة المجتهدين لطيفاً في الرّدّ والمناقشة .... وكان قليل الاشتغال بالتاليف بالنسبة إلى غزارة علمه وكثرة درسه، له تعليقات لطيفة على سنن أبي داؤد[1]

مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ عالی ہمتی، وقت نظر، عزیمت پر عمل پیرا اور جہاد فی سبیل اللہ کی لگن میں ممتاز تھے۔ متقی و پارسا تھے اس آخری زمانے میں دل و جان سے اللہ کی طرف نظر رکھتے تھے، تواضع وانکساری میں دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے بناوٹ وتکلف سے دور رہنے میں زاہدانہ طرز زندگی، دین وحق کی نصرت، حقوق اللہ کی ادائیگی میں اسلام کے دشمنوں سے بغض اوران پر سختی کرنے کی امامت ان پر ختم تھی اور اللہ کے سامنے ہمیشہ گڑگڑانے والے، توکل کے پکے، بڑے حوصلے والے، دل کینہ وکدورت سے پاک رکھنے والے سلیم الصدر تفقہ میں پختہ، تمام علوم نقلیہ وعقلیہ میں ماہر، تاریخ سے باخبر، شعروادب کا وافر حصہ محفوظ رکھنے والے، نظم میں انشاء پرداز، واضح آواز رکھنے والے اور تقریر و بیان میں مختصر ذومعنی بات کرتے تھے۔ ان کے اسباق اختصار وایجاز کا نمونہ تھے باریکی اور پرمغز بحث پر اکتفا کرنے میں ممتاز تھے۔ محدثین اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ انتہائی ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، بحث ومناظرہ میں بہت لطیف انداز اختیار کرتے تھے اپنی وسعت علمی اور کثرت دروس کی بہ نسبت تصنیف وتالیف کیجانب انکا میلان کم تھا، سنن ابوداؤد پر ان کی لطیف تعلیقات ہیں۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، ۸/۳۶۹

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے انہی صفات سے حضرت مدنیؒ آراستہ تھے۔

شیخ الہند کی علمی خدمات:

۱- شیخ الہند کی جامع ترمذی پر تقریر "التقریر للترمذی" کے نام سے ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک میں شائع ہوئی اور ہندوستان میں موصوف کی درسی تقریر مولانا سید اصغر حسینؒ (۱۲۹۴ھ-۱۳۶۴ھ) نے اردو میں "الورد الشذی" کے نام سے شائع کی تھی۔ پاکستان میں اسے "معہد الخلیل الاسلامی" کراچی نے ۱۴۱۶ھ میں شائع کیا ہے۔

۲- سنن ابی داؤد کی تصحیح اور عربی میں ان کی تعلیقات مقدمہ کے ساتھ مطبع مجتبائی دہلی سے عبد الاحد نے ۱۳۱۸ھ میں شائع کی تھی، اس کا ایک نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں بھی محفوظ ہے، چنانچہ دوسری جلد کے آخر میں جو اشتہار محمد عبد الاحد مالک مطبع مجتبائی نے جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ میں دیا ہے۔ اس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ حسب ضرورت اکثر مقامات پر مفید حواشی تحریر کئے ہیں۔

۳- النور الساری علیٰ صحیح الامام البخاری یہ شیخ الہند کی وہ امالی ہے جسے ان کے شاگرد مشتاق احمد پنجابی نے مطبعۃ العلوم سے ۱۳۸۲ھ میں پہلی مرتبہ شائع کی تھی۔

۴- گوہر محمودی، صحاح ستہ پر اردو میں شیخ الہند کی درسی تقریروں کا مجموعہ ہے اور یہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہوگیا ہے۔ اس کا ایک زیادہ صاف نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور ایک نسخہ قاری سید محمد شریف تھانوی کے پاس محفوظ ہے اور اسے ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ بہت مفید کام ہے۔

۵- بخاری شریف کے تراجم ابواب پر "الابواب والتراجم" کے نام سے ان کا مختصر رسالہ اردو میں موجود ہے جس پر مولانا عزیر گلؒ اور حضرت مدنیؒ کے پیش لفظ "نبذۂ احوال" کے عنوان سے مطبع الامان اخبار نگینہ میں طبع ہوا تھا۔

۶- حضرت شیخ الہند نے ایک اور اہم کام ایسا کیا جس پر کسی نے نظر نہیں کی کہ حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ کے ترجمۂ قرآن میں ایسے قدیم الفاظ کی جگہ جن کا استعمال امتدادِ زمانہ کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تھا،

متداول الفاظ استعمال کیجئے۔ اس کی داستان حضرت شیخ الہندؒ کی زبانی سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ!

چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیر الٰہی سے یہ بات دل میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا افضل ومقبول ومفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ نہ ہوجائے۔ یہ کس قدر ناقدر دانی اور بدقسمتی بلکہ کفران نعمت ہے اور وہ بھی سرسری عذر کی وجہ سے اور عذر بھی وہ جس میں ترجمہ کا کوئی قصور نہیں۔ اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے۔ اگر دیکھنے والے غور سے دیکھیں اور جو غور کے بعد سمجھ میں نہ آئے اس کو جاننے والوں سے دریافت کریں تو پھر سب کام سہل ہوجائے چنانچہ حضرت ممدوحؒ نے خود شروع میں لکھ دیا ہے کہ قرآن شریف کے معنٰی بغیر سند کے معتبر نہیں اور بغیر استاد کے معلوم نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں عوام کو یہ دشواری تو سب ترجموں میں پیش آتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں کچھ زیادہ سہی۔

اس ننگ خلائق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو دو خلجان ہیں یعنی (۱) بعض الفاظ ومحاورات کا متروک ہوجانا۔ (۲) دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہونا۔ جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر ابنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاق طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آگئی کہ جس سے ایسے مفید وقابل قدر ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ سو اگر غور واحتیاط کے ساتھ ان الفاظ متروکہ کی جگہ الفاظ مستعملہ لے لئے جائیں اور اختصار واجمال کے موقعوں کو تدبر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے تو پھر انشاء اللہ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ صدقہ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے اور مسلمانان ہند بھی اس کے فوائد مخصوصہ سے خالی نہ رہ جائیں گے۔ اس مضمون کو سوچ سمجھ کر جو اپنے مکرمین مخلصین کی خدمت میں پیش کیا اُن حضرات نے بھی اس عاجز کی

رائے سے اتفاق ظاہر فرمایا۔ اور یہی بات دل نشین ہوگئی کہ مستقل ترجمہ سے یہ امر زیادہ مناسب اور مفید ہے کہ موضح قرآن میں جو شکایت پیدا ہوگئی ہے اس کے رفع کرنے میں کوشش کی جائے۔

جب یہاں تک نوبت پہنچ چکی تو یہ عاجز بنام خدا اس خدمت کے انجام دینے کے لئے تیار ہو بیٹھا گویا دوشالہ میں کمبل سے جگہ جگہ رفو کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جب ایک ثلث قران کا ترجمہ کر چکا تو بوجہ بعض عوارض ایسا طول طویل حرج پیش آیا کہ ترجمہ کی تکمیل کی توقع بھی دشوار ہوگئی۔ مگر بتوفیق الٰہی عین ایام حرج میں اتنا اطمینان نصیب ہوگیا کہ ترجمہ موصوف باطمینان ۱۳۳۶ھ میں پورا کرلیا۔

ان ربی لطیف لما یشاء، والحمدللہ۔

اب حق تعالیٰ کو منظور ہے تو انہی احباب مکرمین کی خدمت میں اس ترجمہ کو پیش کر کے تفصیلی نظر کی درخواست کرینگے۔ اگر ہماری یہ پیوندکاری ان حضرات کے نزدیک مفید اور مناسب سمجھی گئی تو انشاء اللہ شائع بھی ہوجائے گا ورنہ مجبوراً جہاں ہے وہیں رہے گا۔

گونالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ۔۔۔ میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا[1]

شیخ الہندؒ نے یہ ایسی خدمت انجام دی ہے جس سے یہ ترجمہ یادگار پارینہ ہونے سے محفوظ ہوگیا۔

ذلک فضل اللہ یؤ تیه من یشاء

۱۲۹۴ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمدؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا احمد حسن کانپوریؒ وغیرہ کے ساتھ حج کیا اور مکہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور علامہ رحمت اللہ بن خلیل الرحمان کیرانویؒ کی صحبت حاصل رہی اور مدینہ منورہ میں شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے خوب استفادہ کیا۔ پھر ۱۳۳۳ھ میں حج کیا اور

---

[1] مقدمہ ترجمہ قرآن، شیخ الہندؒ مع تفسیر عثمانی، ص ۲، شائع کردہ دارالتصنیف صدر، کراچی، ۱۹۷۵ء

۱۳۳۴ھ میں بخاری پڑھائی ۔ [۱]

﴿۲﴾ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸ھ-۱۲۹۷ھ/۱۸۳۲ء-۱۸۸۰ء)

مولانا محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ صدیقی نانوتویؒ، نانوتہ میں پیدا ہوئے اور نوعمری میں سہارنپور آ گئے، ابتدائی کتابیں شیخ محمد نواز سہارنپوریؒ سے پڑھیں دہلی کا سفر کیا وہاں مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے علوم کی تکمیل کی۔ پھر شاہ عبدالغنیؒ سے حدیث شریف پڑھی اور خاصی مدت تک ان کے پاس ٹھہرے رہے، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت پائی۔ حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا۔ اس سفر میں مولانا یعقوب نانوتویؒ اور دیگر رفقاء آپ کے ہمراہ تھے...... حج کیا اور...... حرم نبوی کی زیارت کی۔ اس سفر میں قرآن پاک یاد کیا۔ ہندوستان واپس تشریف لائے۔ ''میرٹھ'' میں قیام فرمایا اور اس دوران محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق مئی ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ ۱۲۸۵ھ میں دوبارہ حج وزیارت کی سعادت حاصل کی۔ ہندوستان آ کر میرٹھ میں قیام فرمایا۔ ۱۲۹۷ھ میں دیوبند میں وفات پائی۔

صاحب نزھۃ الخواطر نے موصوفؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

الشیخ الإمام العالم الکبیر......... احد العلماء الربانیین..... أخذ الطریقة عن الشیخ امداداللہ العمری التھانوی وصحبه واستفاض منه فیوضاً کثیرةً، واشتغل فی المطبعة الأحمدیه بدھلی للشیخ أحمد بن لطف اللہ السھارنفوری، وکان الشیخ فی ذلک الزمان مجتھداً فی تصحیح

موصوف شیخ، امام اور بڑے عالم تھے، علماء ربانی میں سے ایک تھے حاجی امداداللہ عمری تھانویؒ سے راہ سلوک طے کی اور ان کی صحبت میں رہے، بہت فیض حاصل کیا۔ شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری کے مطبع احمدی دہلی میں کتابوں کی تصحیح کی۔ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اس وقت صحیح بخاری کی تصحیح اور حاشیہ لکھنے میں مصروف تھے۔

---

[۱] حضرت شیخ الہندؒ کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ حیات شیخ الہندؒ ۲۔ اسیر مالٹا ۳۔ العناقید الغالیہ ۴۔ تاریخ دارالعلوم
۵۔ مشاہیر دارالعلوم ۶۔ ماہنامہ الرشید خاص نمبر ۷۔ الداعی خاص نمبر ۸۔ اسیران مالٹا
۹۔ کاروان احرار ۱۰۔ تحریک ریشمی رومال ۱۱۔ تحریک شیخ الہندؒ ۱۲۔ علماء ہند کا شاندار ماضی
۱۳۔ بیس بڑے مسلمان ۱۴۔ مجموعہ مقالات علی الشیخ الہندؒ ۱۵۔ مقدمہ انوار الباری ۱۶۔ علماء دیوبند اور علم حدیث کی خدمات
۱۷۔ فقہ اہل العراق وحدیثہم ۱۸۔ تتمۃ البیان ۱۹۔ مقدمہ ترجمہ قرآن الکریم شیخ الہندؒ
۲۰۔ حالات بزرگان دین ۲۱۔ اکابرین دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں

"صحیح البخاری" و تحشیته، ففوض الیه خمسة اجزاء من آخر ذلک الکتاب و کانت تلک الاجزاء عسیرة سیما فی مقامات اورد فیها البخاری علی ابی حنیفة فبذل جهده فی تصحیح الکتاب وتحشیته وبالغ فی تأیید المذهب حتّٰی استوفٰی حقه وکان ازهد الناس واعبدهم واکثرهم ذکراً ومراقبة وابعدهم عن زیّ العلماء ولبس المتفقّهة من العمامة وطیلسان و غیرهما وکان فی ذلک الزمان لایفتی ولا یذکّر بل یشتغل فی ذکر الله سبحانه و مراقبته حتی فتحت علیه ابواب الحقائق والمعارف فاستخلفه الشیخ امدادالله المذکور ومدحه بانّ مثل القاسم لایوجد الاّ فی العصر السالف ثمّ تزوّج بأمره الشریف وصعد المنبر بتکلیف الشیخ مظفر بن محمود الکاندهلوی فذکّر احسن تذکیر[1]

صحیح بخاری کے آخری پانچ پارے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سپرد کیے، یہ آخری پانچ پارے نہایت مشکل تھے خصوصاً وہ مقامات جن میں امام بخاریؒ نے امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات کیے ہیں۔ موصوف نے کتاب کی تصحیح وتعلیقات اور حنفی مذہب کی تائید ایسی محنت سے کی کہ اس کا حق ادا کردیا۔ حضرت نانوتویؒ، حاجی صاحب کے مریدوں میں بہت زیادہ عابد، زاہد تھے، موصوف کا زیادہ وقت یادِالٰہی اور مراقبہ میں گزرتا تھا علماء کے لباس اوران کی وضع قطع عمامہ چادر وغیرہ کے تکلفات سے بہت بچتے رہتے تھے موصوف ابتدا میں نہ فتویٰ دیتے تھے اور نہ وعظ ونصیحت کرتے تھے بلکہ اللہ جل شانہٗ کے ذکر ومراقبہ میں مصروف رہتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے معارف اور حقائق کے دروازے ان پر کھول دیئے حضرت امداد اللہؒ جن کا تذکرہ اوپر آیا ہے انہوں نے ان کو خلافت سے سرفراز کیا اور موصوف کی یوں تعریف کی...... قاسم جیسے لوگ پہلے زمانے میں ہی پائے جاتے تھے پھر آپ نے حاجی امداداللہؒ کے حکم سے شادی کی اور شیخ مظفر بن محمود کاندھلوی کے حکم سے ممبر پر تشریف لائے اور خوب بیان کیا۔

متعدد تصانیف موصوف سے یادگار ہیں۔[2]

﴿ ۳ ﴾ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ-۱۳۲۳ھ/۱۸۲۶ء-۱۹۰۵ء)

۱۲۴۴ھ میں گنگوہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں دہلی میں پڑھی تھیں پھر یہیں مولانا مملوک علی سے علوم وفنون کی تحصیل کی۔

الشیخ الامام العلامة المحدث رشیداحمد بن هدایت

شیخ، امام علامہ محدث، رشید احمد بن ہدایت

---

[1] نزہۃ الخواطر، ۷/۳۸۳

[2] مزید حالات کے لیئے ملاحظہ فرمائیں:-

۱- نزہۃ الخواطر، ۷/۳۸۲-۳۸۴ ۲- سوانح قاسمی ۳- تاریخ دارالعلوم دیوبند ۴- علماء ہند کا شاندار ماضی

۵- سیرت یعقوب ومملوک ۶- تذکرہ قاسمی ۷- سیرت بانیٔ دارالعلوم

۸- قاسم العلوم والخیرات اپنے معاصر تذکرہ نگاروں کی نظر میں

مولانا سید عبدالحی لکھنویؒ نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:[1]

احمد.......... أحد العلماء المحققين، والفضلاء المدققين لم يكن مثله في زمانه في الصدق والعفاف والتوكل والتفقه والشهامة والاقدام في المخاطر، والصلابة في الدين والشدة في المذهب، قرأ الحديث والتفسير أكثرها على الشيخ عبدالغني وبعضها على صنوه الكبير أحمد سعيد الدهلوي اخذ الطريقة عن الشيخ الاجل إمدادالله وكان قبل سفر الحجاز في المرة الثالثة يقرئ في علوم عديدة عن الفقه والاصول والكلام والحديث والتفسير وبعد العود من الحجاز في المرة الآخرة أفرغ اوقاته لدرس الصحاح الستة والتزم أن يدرسها في سنة واحدة وكان يقرئ جامع الترمذي أولاً ويبذل جهده فيه في تحقيق المتن والإسناد ودفع التعارض وترجيح أحد الجانبين وتشييد المذهب الحنفي. ثم يقرئ الكتب الأخر..........مع بحث قليل

احمد ...... محقق علماء، دقیق نظر فضلاء میں یگانہ تھے، راست گوئی وفقہی بصیرت، روشن ضمیری وخودداری فہم و فراست اور خطرات میں کود پڑنے اور دین میں پختگی اور مذہب ومسلک میں پابندی وسختی میں ان جیسا نہیں دیکھا گیا حدیث وتفسیر، زیادہ تر شیخ عبدالغنی سے حاصل کی اور کچھ شاہ عبدالغنی کے بڑے بھائی مولانا احمد سعید دہلوی سے پڑھی سلوک وطریقت میں حاجی امداداللہ صاحبؒ سے خلافت پائی۔ موصوف تیسری مرتبہ حجاز کے سفر میں جانے سے پہلے مختلف علوم وفنون، فقہ، اصول فقہ، کلام، حدیث، تفسیر پڑھاتے تھے اور حجاز کے آخری سفر کے بعد اپنا وقت صرف صحاح ستہ کے درس وتدریس کے لئے خاص کر دیا تھا۔[1] ایک ہی سال میں صحاح ستہ کے ختم کرنے کی پابندی کی، وہ پہلے جامع ترمذی پڑھاتے اور متن وسند کی تحقیق میں بھرپور محنت صرف کرتے، احادیث کے تعارض کو دور کرتے، جہت ترجیح اور مذہب حنفی کی تائید وتقویت میں بھرپور کوشش کرتے تھے پھر باقی کتابوں کے سبق میں مختصر بحث فرماتے تھے۔

---

[1] نزھۃ الخواطر، ۳۸۳/۷

ہند و بیرون ہند کے دارالعلوموں پر حضرت گنگوہیؒ کے درس حدیث کا اثر:

حضرت گنگوہیؒ کے مندرجہ ذیل خط سے جو حضرت حاجی صاحبؒ کے نام ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے ہاں دورۂ حدیث کا آغاز ۱۳۰۰ھ میں ہوا تھا۔ یہ حضرت گنگوہیؒ کے تیسرے سفر حج ۱۲۹۹ھ سے واپسی کے بعد کی بات ہے اور یہی سال حضرت تھانویؒ کا دیوبند میں دورہ پڑھنے کا ہے، دارالعلوم دیوبند پر جو اثر ہوا اس کے متعلق خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کا بیان ہے:

جب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز نے گنگوہ میں درس حدیث شروع فرمایا تو بہت سے طالب علم وہاں پڑھنے چلے گئے اور انہوں نے حضرت والا (حضرت تھانویؒ) کو بھی ترغیب دی کیونکہ مولانا (مولانا محمد یعقوبؒ صاحب) کے ہاں ناغے بہت ہوتے تھے، گو جب پڑھاتے تھے تو بقول حضرت والا سیراب فرما دیتے تھے لیکن حضرت والا نے فرمایا کہ "گو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں درس حدیث بہتر ہوگا لیکن مجھے تو اپنے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو چھوڑنا بے وفائی معلوم ہوتا ہے جب تک کہ مولانا خود یہ نہ فرمادیں کہ بس اب میرا ذخیرۂ علمی ختم ہوگیا اب مجھ سے تمہاری تعلیم نہیں ہوسکتی۔" (اشرف السوانح جلد اول، ص ۱۲۷، واقعہ نمبر۴) حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے علوم کو حضرت تھانویؒ نے دل ودماغ میں محفوظ رکھا اور اس کی نشر واشاعت بھی حضرت تھانوی نے اپنی تالیفات وتصنیفات میں سب سے زیادہ کی اور ان کے علمی کمالات کو جابجا نقل کیا ہے۔ ان کے علمی کمالات کا کچھ تذکرہ ہمیں "فتح الملهم" میں ملتا ہے۔ اور مذکورہ بالا واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ جہاں کہیں دورے ہوتے تھے طلبہ وہاں سے دورہ چھوڑ کر گنگوہ آنے لگے تھے۔ چنانچہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ تذکرۃ الرشید میں رقم طراز ہیں: حجت اللہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلۂ روحانی کا سچا جانشین جس وقت سے مسند خلافت کا صدر نشین ہوا ہے، حق تعالیٰ کے غیبی فرشتوں نے منادی پھیر دی اور اطراف ہند، برہما وسندھ، پورب وبنگال، پچھم وپنجاب، مدراس ودکن، بمبادر ممالک متوسط کابل وافغانستان کے بلاد متفرقہ میں ایک کھلبلی مچ گئی، گروہ ہا گروہ طلبہ گنگوہ میں آنے لگے، آپ کے پاس پندرہ بیس سے لے کر ستر اسی کا ہر برس مجمع ہوتا اور ایک گروہ، دوسرے گروہ کو سال بھر کیلئے اپنا جانشین بنا کر چلا جاتا۔ (تذکرۃ الرشید حصہ اول، صفحہ ۸۷)

حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ میں حسن بن علی نظیر نعمانی قدوسی گنگوہیؒ نے اپنا جو ثبت مرتب کیا ہے اس میں حضرت گنگوہیؒ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے: **العالم الربّاني الفاضل الصمداني العارف بالله الأحد مولانا رشيد أحمد......** الخ۔[1]

حضرت گنگوہیؒ کا تفقہ میں مقام:-

سید انور شاہ کشمیریؒ، حضرت گنگوہیؒ کو فقہی بصیرت میں علامہ شامیؒ سے بلند تر سمجھتے تھے، وہ فرماتے ہیں:

ان ابن نجيم أفقه عندي من الشّامي، لما أرىٰ فيه أن أمارات التّفقّه تلوح، والشامي معاصر للشاه عبدالعزيز رحمه الله تعالىٰ وهو أيضا أفقه عندي من الشّامي رحمه الله تعالىٰ وكذا شيخ مشايخنا رشيد أحمد الكنكوهي قدس سرّهٗ أفقه عندي من الشامي [2]

میری نظر میں علامہ ابن نجیم، علامہ شامی سے بلند تر فقیہ تھے میں ان میں فقہی بصیرت کے آثار علامہ شامی سے زیادہ روشن پاتا ہوں علامہ شامیؒ، شاہ عبدالعزیزؒ کے ہم عصر ہیں اور وہ بھی میری نظر میں شامی سے بلند تر فقیہہ ہیں اور اسی طرح ہمارے شیخ المشائخ رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ بھی میری نظر میں علامہ شامی سے بلند تر فقیہہ ہیں۔

سرپرستی ”دارالعلوم دیوبند“ و ”مظاہرالعلوم سہارنپور“:-

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تذکرۃ الرشید میں رقمطراز ہیں: [3]

> ۱۲۹۷ھ میں جس کو مدارس دینیہ کی تاریخ میں عام الحزن اور سال غم کہا جاتا ہے۔ وہ سن ہے جس کی چوتھی جمادی الثانی کو پنجشنبہ کے دن معدن الحسنات، قاسم الخیر والبرکات، قدوۃ الأماثل زبدۃ الأفاضل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بمرض ضیق النفس انچاس سال کی عمر میں بمقام دیوبند اس عالم فانی سے انتقال فرما کر احباب واقارب دنیا کو اس وقت الوداع کہا جبکہ آفتاب خطِ استوا سے ڈھل گیا تھا، گویا زوال شمس اس دن اس آفتاب دین کے ڈھلنے کی اطلاع دے رہا تھا، جس کی

[1] یہ وہ پہلا ثبت ہے جو حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے تین سال بعد ۱۳۲۶ھ میں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن سے شائع کیا گیا تھا۔ ثبت مذکور کی تصحیح موصوف نے خود کی اور حضرت گنگوہیؒ کے ایک اور شاگرد ابوالحسن امروہی نے بھی کی ہے۔ یہ دونوں حضرات دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن میں تصحیح کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ صاحب نزہۃ الخواطر سے ان دونوں حضرات کا تذکرہ رہ گیا ہے اور ہمارے بزرگوں نے بھی اس ثبت پر تبصرہ نہیں کیا ہے۔

[2] فیض الباری، باب إيجاب التكبير وافتتاح الصلوٰة، ۲/۲۳۰

[3] تذکرۃ الرشید ۱/۲۲۷ شائع کردہ مکتبہ عاشقیہ، قیصر گنج روڈ، میرٹھ۔

چمک دار شعاعوں سے آج تک عالم جگمگا رہا ہے اور اسی سال حضرت فقید المثل وحید العصر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے بمقام سہارنپور داعی اجل کو لبیک کہی، گویا دونوں مدرسے یتیم ہوگئے، دونوں جانکاہ و روح فرسا حادثوں سے زمین باوجود وسعت کے تنگ اور عالم روز روشن میں تاریک نظر آنے لگا، اس وقت حضرت قطب العالم قدس سرہٗ کی وہ توجہ ان مدارس کی طرف عالم آشکار ہوگئی جو اب تک ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے مخفی و مستور تھی، چنانچہ ۱۲۹۸ھ کی ''روداد مدرسہ اسلامیہ دیوبند'' میں امام ربانی کی سرپرستی شائع ہوگئی اور امّ المدارس کے ساتھ آپ کا ظاہری و باطنی علاقہ (تعلق) دنیا پر ظاہر ہوگیا۔

۱۳۰۲ھ میں مولانا محمد مظہر صاحب اور ۱۳۰۴ھ مولانا فیض الحسن صاحب کا وصال ہوگیا۔ جنہوں نے مظاہر العلوم کو من کل الوجوہ یتیم بنا چھوڑا۔ اس وقت مدرسہ مظاہر العلوم کی بھی ظاہری و باطنی سرپرستی آپ کے حوالے ہوئی۔

حضرت گنگوہیؒ کے درس حدیث کی برکات

حضرت گنگوہی کا خط بخدمت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ:

حضور نے جو بندہ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے، میرے ماوائے دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں، بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں ہوں مگر جو ارشادِ حضرت ہے تو کیا کروں، بہ ناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے۔

حضرت مرشدی، علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے، اس سال تک دوسو سے چند عدد زیادہ آدمی سندِ حدیث حاصل کر کے گئے[1] اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا

[1] صحاح ستہ پڑھانے کا سلسلہ شعبان ۱۳۱۳ھ تک جاری رہا اور آخری سند ۱۳۱۳ھ میں عطا کی گئی۔ کم و بیش ۳۰۰ سے زیادہ طلبہ نے موصوف سے استفادہ کیا ہے اور سند اجازت حاصل کی اور پڑھایا۔

اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں، اگر قبول ہو جائے، حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کا خلاصہ یہ ہے کہ جذرِ قلب میں غیر حق تعالیٰ سے نفع وضرر کا التفات نہیں، واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے، للہذا کسی کی مدح وذم کی پرواہ نہیں رہی اور ذام ومادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بیرنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے، پس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے۔ یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور جو میں ہے وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ۔ اب عرض سے معذور فرما کر قبول فرماویں۔

والسلام ۱۳۰۶ھ [1]

جلسہ دستار فضیلت دار العلوم:-

حضرت گنگوہیؒ کو دیوبند آنے کا اتفاق تو کئی بار ہوا تھا۔ مگر سرپرستی مدرسہ دیوبند کے بعد پہلے جلسۂ دستار بندی میں حضرت گنگوہی نے شرکت کی وہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔

چنانچہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ لکھتے ہیں:

دیوبند میں حضرت قدس سرہ کو بارہا تشریف لانے کا اتفاق ہوا۔ جن میں وہ تشریف آوری ضرور قابل ذکر ہے جس کو ہر نظر بصیرت مدرسہ عالیہ دیوبند کی پیشانی پر آب زر سے لکھا ہوا محسوس کر رہی ہے، وہ جلسہ جس میں امام ربانی اس وقت دیوبند تشریف لائے، جلسہ دستار بندی کے نام سے موسوم ہے۔ [2]

---

[1] مکاتب رشیدیہ صفحہ ۱۰

[2] تذکرۃ الرشید ۱/۲۲۷

مدرسہ عالیہ دیوبند میں جلسہ دستار بندی چار مرتبہ ہوا۔

۱- ۱۲۹۰ھ میں پانچ مولویوں کے دستار باندھی گئی۔

۲- ۱۲۹۲ھ میں نیز پانچ علماء کی دستار باندھی گئی۔

۳- ۱۲۹۸ھ میں سات مولوی دستار بند ہوئے۔

۴- ۱۳۰۱ھ میں گیارہ علماء کی دستار بندی ہوئی۔ یہی چودھویں ربیع الاول یوم پنجشنبہ کا جلسہ تھا جو تا قیامت یادر ہے گا۔

شاہ عبدالغنی دہلویؒ نے حضرت گنگوہیؒ کو حدیث کی جو سند تحریر فرمائی تھی، اس کی نقل ہدیۂ ناظرین ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہی کا علم وفضل میں مقام اپنے استاذ کی نظر میں کتنا بلند تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم ○ الحمدلله اَوّلاً و آخراً، والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله دائماً وسرمداً، وعلىٰ آله واصحابه كذٰلك، امّابعد! فأقول وأنا مُلتَجِي إلىٰ حرم النبوى، عبدالغنى بن أبى سعيدالمجددى الدهلوى سامحه الله تعالىٰ بلطفه الخفي:

أنّ الأخ الصالح المولوى رشيد أحمد النعمانى أمّاً والأنصارى أباً توجّه إلى زيارة شفيع المذنبين صلوات الله وسلامه عليه وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين○

وقدكان قرأ علّى الثلث من "صحيح أبي عبدالله محمدبن اسمٰعيل البخارى○" وجميع "السنن" للإمام أبي داؤد سليمان بن اشعث السجستانى رحمة الله عليهما ○ وطلب منّى الإجازة لبقية الأمّهات الستِ وغيرها، فاجزت له لجميع مايجوز لى الرواية فيه، والذى حصلت من مشايخ الحرمين الشريفين ومشايخ الهند فأجزت له، وهوإن شاء الله أهل لذٰلك وذٰلك ظنّى به والله حسيبه○

وأوصيه أن لاينسانى من صالح دعائه وأنا أدعوله أن يُثبّته الله تعالىٰ علىٰ القول الثابت حيث لايخاف فى الله لومة لائم، وأن ينتفع به المسلمون، ويكون ذاكراً لله تعالىٰ علىٰ كلّ حالٍ دائم، وحشرنى الله تعالىٰ وإيّاه فى زمرة الصالحين بجاه سيّدالمرسلين صلوٰت الله وسلامه عليه وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين، قاله بفمه وكتبه بقلمه عبدالغنى بن أبى سعيد فى المسجدالنبوىّ يوم الجمعة سنة ١٢٧٠، ٩ محرم[1]

[1] لامع الدراری ۱/۱۰-۲۱۷-۲۱۸

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سندِ حدیث:

اکابر دیوبند کی سند میں محدثانہ نقطۂ نظر سے حضرت گنگوہیؒ کی سند ایسی ہے جو محدثانہ شان کے موزوں ترین الفاظ کا شاہکار ہے۔

ملاحظہ فرمایئے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ ربّ العالمین، والصّلاۃ والسّلام علیٰ خیرخلقہٖ محمّدٍ سیّد الأنبیاء والمرسلین، وآلہٖ وأصحابہٖ وأتباعہٖ أجمعین إلی یوم الدّین○

أمّا بعد: فیقول المفتقرإلیٰ رحمۃ ربّہٖ الصّمد الفقیر الأحقرالمدعو برشید احمد الأنصاری نسباً، والجنجوھي موطناً، تجاوزاللّٰہ عن زللہٖ ومعایبہٖ، ورضی اللّٰہ عن مشایخہٖ، إنّ المولوي.................. قد قرأ علي واستمع عندي الأمّھات السّتّ المشھورۃ عندالمحدّثین المحتویۃ للصحاح والحسان من أحادیث الرّسول السّیّد الأمین، "الصّحیحین للشّیخین" و"الجامع المسند" للترمذي، والسّنن، لأبي داؤد السّجستاني، و"السّنن" للنّسائي، و"السّنن" لابن ماجہ القزوینی رضي اللّٰہ عنھم أجمعین وأفاض علینا من برکاتھم وجمعنا معھم یوم الدّین وأنا أجیزہ أن یرویھاعنّي بشرط الضّبط والإتقان في الألفاظ والمعاني والتیقّظ والتّثبّت في المقاصدوالمباني، بشرط إستقامۃ العقائد والاعمال علی طریقۃ الصّحابۃ والتّابعین، وحسن التّأدب بحضرۃ العلماء المحدّثین والمجتھدین۔

وأوصیہ بتقویٰ اللّٰہ تعالیٰ والإعتصام بسنّۃ سیّد المرسلین، والإجتناب عن البدع المخترعۃ في الدّین، والتّبعّدعن صحبۃ المبتدعین، وبالاشتغال بإشاعۃ العلوم السنّیۃ الدّینیّۃ، والإحتراز عن التّدنّس برذائل الفلسفۃ وحطام الدّنیا الدّنیّۃ، وأسأل اللّٰہ لي ولہٗ أن یوفقنا لما یحبّ ویرضیٰ، وأن یجعل آخرتنا خیراً مّن الأولیٰ، ولاحول ولاقوۃ إلّا باللّٰہ العلي العظیم، والصّلاۃ والسّلام علیٰ سیّدنا ومولانا محمّدٍ نّبیہٖ الکریم وآلہٖ وأصحابہٖ وأتباعہٖ ناصری طریقۃ القویم، فقط،حررتہ ....من الشّھر......المنتظم في سنۃ ألف وثلاثمائۃ ...... من الھجرۃ علیٰ صاحبھا ألوف الصّلوٰت والتّسلیمات والتحیّۃ○ [1]

رشید احمد ۱۳۰۱

[1] لامع الدراری ۱/۲۱-۲۲

﴿ ۴ ﴾ مولانا مملوک علی بن احمد علی صدیقی نانوتوی (۱۲۰۴ھ-۱۲۶۷ھ/۱۷۸۹ء-۱۸۵۱ء)

ابتدائی تعلیم نانوتہ میں پائی۔ پھر دہلی میں مولانا رشید الدین دہلوی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی۔ علوم حِکمیہ میں کمال حاصل تھا، مدرسہ دار البقا اور دہلی کالج میں پڑھایا۔ خلق کثیر نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو موصوف سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے جب جامع ترمذی چھپوائی تو اپنی تصحیح کے بعد ان سے تصحیح کرائی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصحیح کتب میں مولانا مملوک علی کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ دیوانِ متنبی بھی ان کی تصحیح سے عربی میں شائع ہوا تھا، وہ میرے پاس موجود تھا، افسوس ہے کہ کسی نے چوری کرلیا۔ ان کی تصحیح سے چھپا ہوا نسخہ سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ الحمد للہ سنن ترمذی کا مطبع احمدی میں ان کی تصحیح سے چھپا ہوا نسخہ راقم سطور کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ موصوف کے متعلق لکھتے ہیں :

تفنّن في الفقه والاصول والعربيّة مع مهارة تامّة في المنطق والحكمة، و ولي التّدريس بمدرسة دار البقاء، فدرّس وأفاد مدّة عمره وأفنىٰ قواه في ذٰلك حتّى ظهر تقدّمه في العلمآء، أخذ عنه خلق كثير لا يحصون بحدّ وعدّ وسافر إلى الحجاز سنة ثمان و خمسين فحجّ و زار وعاد إلى الهند بعد سنة كاملة، مات لإحدى عشرة خلون من ذى الحجة سنة سبع و ستين و مأتين وألف.[1]

موصوف کو منطق و حکمت میں کامل مہارت کے ساتھ ساتھ فقہ اصول اور عربیت میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔ مدرسہ دار البقا میں تدریس ان کے سپرد کی گئی تو وہاں پڑھایا اور تمام عمر علمی فائدہ پہنچاتے رہے، موصوف نے اپنے اعضاء کو اس میں گھلا دیا تھا حتیٰ کہ وہ علماء کے پیشرو رہے، ان سے اس قدر لوگوں نے علمی استفادہ کیا جس کی نہ کوئی حد ہے نہ شمار ۱۲۵۸ھ میں حج کیا۔ حرمین شریفین کی زیارت کی پورے ایک سال کے بعد واپس آئے اور ۱۲۶۷

﴿ ۵ ﴾ خان بہادر مفتی صدر الدین دہلویؒ (۱۲۰۴ھ-۱۲۸۵ھ/۱۷۹۰ء-۱۸۶۸ء)

مفتی صدر الدین بن لطف اللہ کشمیری ثم دہلوی (خان بہادر) موصوف دہلی میں پیدا ہوئے، عقلی علوم مولانا فضل امام خیر آبادیؒ سے پڑھے اور فقہ و اصول فقہ اور شرعی علوم کی تحصیل شاہ رفیع الدینؒ سے کی، اس زمانے میں شاہ عبدالعزیزؒ کے یہاں بھی آمد و رفت رہی اور استفادہ کیا، حدیث شاہ محمد اسحاقؒ سے پڑھی

[1] نزہۃ الخواطر ۷/۴۸۷

اوران سے حدیث کی سند لی، پھر دہلی میں ایک زمانے تک درس وتدریس اور افتاء کی خدمت انجام دی۔

موصوف اپنے زمانے میں ادبی فنون میں یکتا تھے، کسی فن کے متعلق کوئی بات پوچھی جاتی، دیکھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ انہیں اس فن کے علاوہ کوئی فن نہیں آتا اور اس فن میں ان کی کوئی نظیر نہیں، شعروسخن، نظم ونثر میں یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ اردو، فارسی، عربی ہرزبان میں شعر کہتے اور کتابوں پر تقریظ بھی لکھتے تھے۔ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے مطبع احمدی کی مطبوعہ صحیح بخاری پران کی تقریظ چھپی ہوئی موجود ہے۔

۱۲۷۳ھ تک مزے کی زندگی گزاری۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانے میں خان بہادر کے خطاب کے باوجود انگریزوں کے خلاف فتوے کی پاداش میں پکڑے گئے پھر رہائی نصیب ہوئی، اس عرصہ میں گھر بار سب لٹ گیا۔ رہائی کے بعد گھر ہی میں بیٹھے رہے۔ درس وافادہ کی مجلس گرم رہتی تھی مدرسہ دارالبقا میں پچیس (۲۵) طلبہ کا وظیفہ بھی خود دیتے تھے۔ بعض کی پوری کفالت کرتے اور بعض کی دیکھ بھال فرماتے اور انہیں کئی علوم پڑھاتے رہتے تھے، اکیاسی (۸۱) سال کی عمر پائی تھی۔ ریختی شعراء کا تذکرہ بھی لکھا تھا۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے موصوف کو:

''سرخیل علمائے ہند، مفتی محمد صدرالدین خان دہلوی، صدرالصدور شاہجہان آباد'' [۱] اور ''الفقیہ الحنفی المفتی صدرالدین خان بہادر، صدرالصدور دہلوی، آخر فضلائے دہلی بود'' [۲] اور ''الفاضل الفہامۃ'' [۳] وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے، اور نواب صاحبؒ، موصوفؒ کے شاگرد تھے، انہوں نے ان سے روایتِ حدیث کی اجازت لی تھی، جسے نواب صاحبؒ نے ''سلسلۃ العسجد''[۴] میں نقل کیا ہے:-

بطاقۂ سندِ استاذ العلماء، تاج الفقہاء شیخ صدرالدینؒ ست، و عبارتش
بلفظ وے این ست ''مولوی سید محمد صدیق حسن صاحبِ ذہنِ سلیم
و قوّت حافظہ وفہم درست ومناسبت تمام با کتاب ومطالعۂ صحیح واستعداد
تام دارند جملہ کتب معقول رسمیہ ازمنطق وحکمت وازعلم دین اکثراز

[۱] - سلسلۃ العسجد، صفحہ ۶ [۲] - اتحاف النبلاء، صفحہ ۲۶۰ نواب صاحب نے ان کو حکومت برطانیہ کی طرف سے دیئے گئے لقب ''خان بہادر'' سے یاد کیا ہے، کیونکہ نواب صاحب خود بھی اسی سلسلہ کے آدمی تھے۔ [۳] - التاج المکلل صفحہ ۵۴۷، مطبوعہ دار اسلام ۱۴۱۶ھ [۴] - صفحہ ۳۲

بخاری و چیزے از تفسیر بیضاوی وفقہ واصول وعقائد وکلام وعربیت
ازفقیر اکتساب نمودند و مستعدانہ فہمیدہ خواندند وباوجود آں بسعادت
ورشد وصلاح ونیک نہادی وصفائے طینت وغربت واہلیت وشرم
وحیاء دراقران واماثل خود ممتازاند۔ انتہی [1]

﴿ ۶ ﴾ مولانا رشید الدین دہلویؒ (۱۱۸۳ھ-۱۲۴۳ھ/ ۱۷۶۹ء-۱۸۲۸ء)

مولانا رشید الدین بن امین الدین بن وحید الدین کشمیری ثم دہلوی، دہلی میں پیدا ہوئے یہیں ان کی نشوونما ہوئی، ابتداء میں مفتی علی کبیر بنارسیؒ سے پڑھا، پھر شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے پڑھا، انہی کی صحبت میں رہ کر کمال حاصل کیا۔ حضرت مولانا سید عبدالحئ لکھنوی موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں: [2]

انتھت إلیہ رئاسة التدریس بمدینة دھلي. دہلی میں درس وتدریس کی سیادت وقیادت ان پر ختم تھی۔

محسن ترہتیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

إنہ کان فاضلاً جامعاً بین کثیر من العلوم الفن منھا جملا مستکثرات و کان حسن العبارة دأبہ الذب عن حمی السنّة والجماعة والنکایة في الرّافضة المشالیم. [3]

موصوف فاضل اور بہت سے علوم کے جامع تھے بہت سے ایسے علوم میں جنہیں مشکل خیال کیا جاتا، اتقان وپختگی حاصل تھی عبارت اچھی لکھتے تھے۔ ان کا شیوہ سنت والجماعت کی حمایت کرنا اور ان کی طرف سے جوابدہی کرتے رہنا تھا منحوس رافضیوں کو سر کے بل گرانا (شکست دینا) ان کا وطیرہ تھا۔

---

[1] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ تذکرہ اہل دہلی ص ۵۷ تا ۶۰ تالیف سرسید احمد خان تصحیح قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۹ء

۲۔ تذکرہ علماء ہند ص ۳۲۷-۳۲۸ ۳۔ سلسلة العسجد ص ۳۲ نواب صدیق حسن خان مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۲ھ

۴۔ اتحاف النبلاء ص ۲۶۰ تا ۲۶۳ نواب صدیق حسن خان مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ ۵۔ حدائق الحنفیہ ص ۴۸۱ تا ۴۸۳

۶۔ ابجد العلوم ص ۹۱۷ ۷۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ مئی، جون ۱۹۲۱ء

۸۔ گلشن بے خار ص ۱۰-۱۱ تالیف نواب مصطفیٰ خان نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۴ء ۹۔ نزھة الخواطر ج ۷ ص ۲۲۰-۲۲۱

۱۰۔ علم وعمل، ج ۱ ص ۲۷۴-۲۷۵، ترجمہ محمد ایوب قادری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۰ء

۱۱۔ الیانع الجنی، ص ۷۷ ۱۲۔ المسند ص ۴۲ ۱۳۔ تذکرہ گل رعنا ص ۳۲۷ از عبدالحئ لکھنوی مطبع معارف اعظم گڑھ

[2] نزھة الخواطر ۷/۱۷۷ [3] الیانع الجنی۔ ص ۷۷

رافضیوں کی تردید میں ان کی بہت سی تالیفات ہیں۔[1]

{7} شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ (۱۲۳۵ھ-۱۲۹۶ھ/۱۸۲۰ء-۱۸۷۹ء)

شیخ محمد بن یحییٰ تیمی تربتیؒ نے موصوف کے تذکرے کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

تذكرة شيخنا ومولانا المحدث العمدة الفقيه الزاهد القدوة......فحضنته حجور اهل الصلاح والدين من الصوفية والفقهاء والمحدثين ......وكان من اجل ما انعم الله عليه ان صرفه عن الاشتغال لمحدثات العلوم ومبتدعات الرسوم التي جعلوها قليل وعدوها كثير وجعله على محبة الخير و حببه الى أهله ووفقه لحلية المتقين وبغية الابرار الصالحين من العلوم النافعة في الدين و حفظ كتاب الله وحمله المتين وثواة سنة نبيه المأمون الامين والاقتناء عن الفقه على مذهب النعمان والاجتناء من فنون الزهد وشماريخ العرفان...... شد رحله إلى المدينة...... وهو بحمدالله تعالى كان عليه ليلا ونهارا مشتغل بالحديث مشغوف بروايته وان سألت الحق فهو اليوم عُذَيقها المرجب والمحدث بين لابتيها لاتكاد تسمع اذناك عند غيره حدثنا الزهري عن سالم عن ابيه الاقليلا وقدانتفع بعلمه في المدينة رجالٌ.[2]

ہمارے استاد مولانا محدث قابل اعتماد فقیہ دنیا سے بے رغبت اور پیشوا تھے......صوفیہ، فقہاء اور محدثین جیسے نیک اور دین دار بزرگوں کی گود میں پلے بڑھے۔ ان پر اللہ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے جدید علوم وفنون سے اور نت نئی رسوم وبدعات سے جن کا نقصان زیادہ اور نفع کم ہے، انہیں باز رکھا موصوف نے قرآن مجید حفظ کیا اور حدیث کی تعلیم حاصل کی مذہب حنفی کے مطابق فقہ......کی تحصیل کی۔ زھد وعرفان کے فنون سے خوشہ چینی کی۔ مدینہ کی طرف رخت سفر باندھا......وہ بحمد للہ دن رات نہایت خوش اسلوبی واہتمام کے ساتھ معمولات وظیفے پورا کرتے اور اس میں کسی اسلوبی واہتمام کے ساتھ معمولات وظیفے پورا کرتے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہیں رکھتے حدیث اور اس کی روایت میں اور مصروف رہتے سچ پوچھیں تو آج موصوف پر میوہ درخت کیطرح علم سے لبریز ہیں۔ مدینہ بھر میں بس وہی ایک ہیں۔ ان جیسا محدث کوئی اور نہیں، اور آپ ان کے علاوہ کسی کو ''حدثنا الزھری عن سالم عن ابیہ '' کہتے ہوئے شاذ ونادر ہی سنیں گے ،اور مدینہ میں اہل علم نے ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔

---

[1] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:
(۱) تذکرہ اہل دہلی، ص۷۰ تا ۷۲
(۲) تذکرہ علماء ہند۔ ص ۱۹۱ تا ۱۹۲ تالیف مولوی رحمان علی، ترجمہ وترتیب محمد ایوب قادری شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔ ۱۹۶۱ء
(۳) آثار الصنادید، باب چہارم، ص۵۱-۵۲ (۴) واقعات دارالحکومت دہلی، ص ۴۰۹-۴۱۰ (۵) ابجد العلوم، ص ۹۱۷
(۶) علم وعمل، جلد اول، ص ۱۵۱-۱۵۲ (۷) نزھۃ الخواطر، جلد ۷ ص۱۷۷-۱۷۸ (۸) الیانع الجنی، ص ۷۷
(۹) التمہید، ص ۱۳۱

[2] الیانع الجنی ۵۸-۵۹

مولوی فقیر محمد جہلمیؒ کا بیان ہے:

مولوی شاہ عبدالغنی بن شاہ ابوسعید: مفسر، محدث، فقیہہ، جامع اصناف علوم، حافظ، قاری، صاحبِ باطن درویش سیرت تھے، اصل وطن آپ کا سرہند تھا مگر آپ دہلی میں ماہ شعبان ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے، آپ نے اکثر علوم کو اپنے والد وغیرہ سے پڑھا، چنانچہ امام محمدؒ کی موطأ انہی سے پڑھی اور انہی سے طریقہ صوفیہ اخذ کیا۔ اور مشکوٰۃ شریف کو شیخ مخصوص اللہ بن مولانا رفیع الدینؒ سے پڑھا، جنہوں نے شاہ عبدالعزیزؒ کے درس میں پڑھا تھا اور نیز محمد اسحٰق دہلویؒ سے پڑھا اور شیخ محمد عابد سندھی انصاریؒ نزیل مدینہ منورہ سے صحیح بخاری کو پڑھا اور کتب صحاح ستہ کی سند لی اور شیخ ابوزاہد اسمٰعیل بن ادریس رومی ثم مدنی سے کل اجازت حاصل کی.......... شیخ الحرم آپ کی یہاں تک تعظیم وتکریم کرتے تھے کہ جب مسجد نبوی میں نماز کے وقت آپ کو دیکھ پاتے تو آپ کو ہی امام بناتے مگر آپ کو بسبب کسر نفسی کے امامت پسند نہ تھی، اس لیے یہ عادت کرلی تھی کہ عین تکبیر کے وقت مسجد میں تشریف لاتے۔ آپ کی تصنیفات وتعلیقات سے ابن ماجہ المسمّٰی بہ" انجاح الحاجة فی شرح سنن ابن ماجه" یادگار ہے۔ آپ کی وفات محرم ۱۲۹۶ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ قطعۂ تاریخ وفات حسبِ ذیل ہے۔

شاہ عبدالغنی وحید زماں	نازش علم وعارف باللہ
سالِ نقلش شنیدم از ہاتف	بہترین محدثین اے ماہ [1]

۱۲۹۶ھ

موصوف کی یہ علمی یادگار انجاح الحاجة علیٰ سنن ابن ماجه جو ۷۹۸ صفحات پر محیط ہے۔ ان کی زندگی میں ہی "عمدۃ المطابع" دہلی سے حاجی الحرمین الشریفین مولوی محمد حسین نے ۱۲۷۳ھ میں شائع

[1] حدائق الحنفیہ صفحہ ۵۰۷۔

کی۔ اس کا نسخہ میرے بڑے بھائی مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔
شاہ عبدالغنیؒ کی سندِ حدیث کے بارے میں علامہ عبدالحی کتانیؒ رقم طراز ہیں:

واشهر اسانيد الشيخ عبدالغنى عن ابيه ومحدث الديار الهندية الشيخ محمداسحق كلاهما عن جدالأخير لأمّه الشيخ عبدالعزيز الدهلوى عن ابيه ولى الله عن ابى طاهر الكورانى عن ابيه الملا ابراهيم عالم المدينة ومسندها عن النجم الغزّى عن ابيه البدر عن اصحاب الحافظ ابن حجر، لاأتقن ولاأوثق فى سلاسل المتأخرين من هذه السلسلةلأ نّهامع علوّها مسلسلة بأئمّة الأعصار والأمصار وأقطاب السنّة ورجال العلم والعمل،ولذٰلک اذا رويتُ عن الوالد عن الشيخ عبدالغنى بهاکأنّى أقول بالنسبة لزماننا والقرون الأخيرة"حدثنى مالک عن نافع عن ابن عمر" فأجد لهٰذا السياق من الحلاوة والقبول والعظمة ما تنهدّله جبروتية الشهاب وتقف عنده صولة علوم الشقشقة،[1]

اور شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ علیہ کی سب سے مشہور سند، اپنے والد، اور دیارِ ہند کے محدث شیخ محمد اسحاقؒ سے ہے، یہ دونوں حضرات، شاہ محمد اسحٰقؒ کے نانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے وہ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہؒ سے اور وہ شیخ ابوطاہر کورانیؒ سے وہ اپنے والد ابراہیمؒ عالم ومسند مدینہ سے راوی ہیں۔ ان کی سند نجم الدین غزیؒ سے، وہ اپنے باپ بدرالدین غزیؒ سے اور وہ حافظ ابن حجرؒ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں، متاخرین محدثین کے سلسلۂ سند میں اس سلسلۂ سند سے زیادہ پختہ اور زیادہ مضبوط ومعتبر سلسلہ کوئی نہیں، اس لئے کہ یہ سلسلہ سند عالی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے راویوں سے مسلسل ہے جو اپنے زمانوں اور شہروں کے امام اور سنت کے اقطاب اور میدانِ علم وعمل کے شہسوار تھے اس لئے جب میں اپنے والد کے واسطے سے شیخ عبدالغنی کی اس سند سے روایت کروں تو گویا کہ اپنے زمانے اور آخری ادوار کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں "حدثنى مالک عن نافع عن ابن عمرؓ" تو میں اس سیاق سند کی چاشنی، قبولیت اور ایسی عظمت کو محسوس کرتا ہوں جس کے سامنے شہاب ثاقب کی عظمت بھی زمین بوس ہو جاتی ہے اور اس کے پاس فصاحت وبلاغت کے سارے علوم کی شان وشوکت ماند پڑ جاتی ہے۔

[1] فہرس الفہارس، ۲/۷٦٠

شاہ محمد اسحٰقؒ کے تلامذہ میں سے شاہ عبدالغنی دہلویؒ کو اللہ تعالیٰ نے وہ قبولیت بخشی کہ کم ہی کسی کے حصے میں آئی ہوگی۔ اس تیرہویں صدی ہجری میں اگر کسی کے دو ثبت (فہرس شیوخ) مرتب ہوئے تو وہ شاہ عبدالغنی ہی ہیں۔ انھوں نے خود اپنا ثبت (فہرست شیوخ) مرتب نہیں کیا لیکن ان کی زندگی میں ان کے دو شاگردوں علامہ محدث ادیب محسن بن یحییٰ تیمی ترہتیؒ اور مولانا محدث عبدالستار صدیقی مہاجر مکیؒ نے انکا ثبت مدون و مرتب کیا۔

علامہ محسن ترہتیؒ نے ۱۲۸۰ھ میں "الیانع الجني في اسانيد الشيخ عبدالغني" لکھی جسے پہلی بار مولانا محمد احسن نانوتویؒ (متوفی ۱۳۰۱ھ) نے مطبع صدیقی بریلی سے اپنی تصحیح کے ساتھ ۱۲۸۷ھ-۱۸۷۰ء میں شائع کیا۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی ثم پاکستانی کے پاس اس کتاب کا وہ تاریخی نسخہ محفوظ ہے جو مولانا محمد احسن نانوتویؒ نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو اپنی تحریر کے ساتھ بھیجا تھا۔ غالباً اسی نسخہ سے مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے اسے "كشف الأستار" کے حاشیہ پر ۱۳۴۹ھ میں دارالاشاعت دیوبند سے شائع کیا تھا (وہ بھی اب نہیں ملتا ہے اس پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے)۔

دوسرا ثبت مولانا عبدالستار صدیقی" مہاجر مکی نے "المورد الهني في أسانيد الشيخ عبدالغنی۔" لکھا تھا جس کے متعلق شیخ ابوالخیر مجددی فرماتے تھے کہ اس کا نسخہ کوئٹہ (بلوچستان) میں ان کے یہاں موجود ہے لیکن کبھی دکھایا نہیں، یہ دونوں عربی میں ہیں، اور مؤخر الذکر ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد شاہ محمد اسحاق" کے شاگردوں میں شاہ عبدالغنیؒ محدث کی شخصیت ہندوستان میں ایسی ہے کہ جن کی فہرست شیوخ ان کے دو شاگردوں نے تقریباً ایک زمانے میں لکھی ہیں۔ شاہ محمد اسحٰقؒ کے شاگردوں میں شاہ عبدالغنی مجددیؒ حرم مدینہ میں موصوف کا نام روشن کرتے رہے اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی" نے پانی پت کو رشک دہلی بنایا ہوا تھا۔ ہندوستان کا ہر حنفی عالم پانی پت جا کر ان سے سند حدیث لیتا اور مسلسل بالأولية سنایا کرتا تھا۔ جیسا کہ صاحب "نزهة الخواطر" کا بیان ہے۔[1]

[1] نزهة الخواطر، ۲۳۶/۸

ہندوستان کے نہیں، عربی دنیا کے نامور حفاظ وفقہاء محدثین نے شاہ عبدالغنیؒ سے سند لی اور خانوادۂ شاہ ولی اللہ کی اسانید، شاہ محمد اسحٰق کے واسطے سے اور سندھی علماء وفقہاء محدثین کی اسانید ملا عابد سندھی کے واسطے سے اسلامی دنیا میں پہنچیں اور انہیں قبول عام حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ تیرھویں صدی کے نامور حافظ علامہ سید عبدالحئی کتانیؒ نے شاہ عبدالغنیؒ کی سند کے متعلق ''فہرس الفہارس والأ ثبات میں یہ لکھا ہے کہ ان کے تلمیذ محسن ترہتیؒ کا کہنا یہ ہے کہ:

لاتكاد تسمع اذناك عند غيره فيها حدثنا الزهري عن سالم عن ابيه إلّا قليلا۔[1]

یعنی مدینہ میں تیرے کان، ان کے علاوہ کسی اور کے پاس ''حدثنا الزهري عن سالم عن ابيه'' کم ہی سن پائیں گے۔

شاہ عبدالغنی مجددی کے تلامذہ میں اکابر دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگردوں نے ہندوستا ہی میں نہیں بلکہ اسلامی دنیا تک اس کا حلقہ وسیع تر کردیا، ان میں حضرت مدنیؒ اور حضرت مولانا زکریا کاندھویؒ کی تدریسی خدمات نے اہم کردار ادا کیا۔[2]

﴿ ۸ ﴾ مولانا احمد سعید دہلویؒ (۱۲۱۷ھ-۱۲۷۷ھ/۱۸۰۲ء-۱۸۶۰ء)

مولانا احمد سعید بن ابی سعید بن صفی عمری دھلوی۔ موصوف کی ولادت رامپور میں ہوئی۔ والد ماجدؒ اور ماموں شیخ سراج احمدؒ سے مسلسل بالاوّلیہ کا سماع کیا۔ بعض درسی کتابیں مفتی شرف الدینؒ سے پڑھیں۔ لکھنؤ آئے اور شیخ محمد اشرفؒ اور علامہ نورالحقؒ سے بعض کتابیں پڑھیں، پھر دہلی آ کر

1 فہرس الفہارس، ۷۵۹/۲

۲ موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

(۱) تذکرہ اہل دہلی ص ۲۰ تا ۲۱ تالیف سر سید احمد خان تصحیح قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی شائع کردہ انجمن ترقی اُردو پاکستان ۱۹۵۵ء
(۲) تذکرہ علماء ہند۔ ص ۳۱۰ (۳) حدائق الحنفیہ ص ۴۹۰ تا ۴۹۱ تالیف مولوی فقیر محمد جہلمی۔ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۶ء
(۴) نزھۃ الخواطر جلد ۷ صفحہ ۲۸۹-۲۹۰ (۵) ابجد العلوم صفحہ ۹۲۹-۹۳۰
(۶) خزینۃ الاصفیا، جلد ۱ صفحہ ۶۹۸-۷۰۱ تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء (۷) الیانع الجنی صفحہ ۵۸ تا ۵۹
(۸) انوار العارفین صفحہ ۵۰۵ تا ۵۰۶ تالیف مولوی محمد حسین مرادآبادی۔ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۰ھ (۹) التمہید صفحہ ۱۴۹-۱۵۰

شیخ فضل امام خیرآبادیؒ (متوفی ۱۲۴۳ھ) شیخ رشید الدین دہلویؒ (متوفی ۱۲۴۳ھ) شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ سے استفادہ کیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حدیث کی سند لی "حصن حصین"، "دلائل الخیرات" اور "القول الجمیل" وغیرہ کی اجازت لی۔ شاہ غلام علی دہلویؒ سے خلافت پائی۔ ان کے جانشین بنائے گئے پھر انہیں بڑا قبول حاصل ہوا۔

۵۷ سال کی عمر میں دہلی میں جنگ آزادی چھڑ گئی۔ ۱۶ر رمضان المبارک ۱۲۷۳ھ تک خانقاہ مظہری میں قیام پذیر رہے۔ بغاوت کی ان پر تہمت لگائی گئی۔ انگریزوں نے انہیں گرفتار کرنا چاہا لیکن ایک افغان سردار کی سفارش پر چھوڑ اگیا۔ شوال ۱۲۷۴ھ میں خاندان کے ساتھ حرمین شریفین چلے گئے اور حج کیا۔ مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔

فقہ وتصوف میں ان کے چند رسالے اور کتابیں یادگار ہیں۔ جن میں شاہ محمد اسحاقؒ کے "مائۃ مسائل" کا رد "تفہیم المسائل" چھپ گیا ہے اور "الانہار الاربعۃ فی شرح الطریق الجشتیۃ والقادریۃ والنقشبندیۃ والمجددیۃ۔" (یہ دونوں بہت نادر ہیں میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں)، موصوف جنت البقیع میں قبہ عثمان غنیؓ کے پاس مدفون ہیں۔ [1]

﴿۹﴾ مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (۱۲۲۵ھ-۱۲۹۷ھ/۱۸۱۰ء-۱۸۸۰ء)

مولانا احمد علی بن لطف اللہ حنفی ماتریدی سہارنپوریؒ، سہارنپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم یہیں پائی پھر دہلی میں مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے پڑھا۔ حدیث شریف مولانا وجیہ الدین سہارنپوریؒ (متوفی غالباً ۱۲۶۱ھ) سے پڑھی۔ جو مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ (متوفی ۱۲۴۳ھ) اور شاہ عبدالقادرؒ (متوفی ۱۲۴۲ھ)

[1] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
تذکرہ کاملان رامپور، تالیف احمد علی خان شوخی صفحہ ۱۴-۲۰ ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ء
(۱) تذکرہ اہل دہلی میں ۱۹ تا ۳۰
(۲) التمہید صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۶
(۳) تذکرہ علمائے ہند۔
(۴) نزہۃ الخواطر: ۷/۴۱-۴۲

سے حدیث کے راوی ہیں۔ [1] پھر مکہ معظمہ گئے، حج و زیارت کی، شاہ اسحاقؒ صاحب (متوفی ۱۲۶۲ھ) سے حدیث کی سند لی، واپس آ کر تجارت کی اور حدیث پڑھائی، مولانا سید عبدالحئیؒ لکھنویؒ نے ''نزھۃ الخواطر'' میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

الشيخ العالم الفقيه المحدث	شیخ، عالم، فقیہہ، محدث، بڑے حنفی علماء
أحد كبار الفقهاء الحنفيّة [2]	میں سے ایک تھے۔

چنانچہ مولانا سید عبدالحئیؒ لکھنویؒ ''نزھۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

كان عالما صدوقاً أمينا ذاعناية تامّة بالحديث، صرف عمرهُ في تدريس الصّحاح السّتّ وتصحيحها، لاسيّما صحيح الإمام البخاري، خدمهُ عشر سنين فصحّحه، وكتب عليه حاشية مبسوطه [3]	موصوف عالم، بہت سچے، امانت دار تھے، تمام تر توجہ حدیث کی طرف رکھتے تھے، عمر بھر صحاح ستہ پڑھائی اور اس کی تصحیح کی، صحیح بخاری کی تصحیح و تحشیہ میں دس برس لگائے تھے، موصوف کی اس پر تفصیلی تعلیقات ہیں۔

مولوی فقیر محمد جہلمی ''مولانا موصوف'' کے متعلق لکھتے ہیں: [4]

مولوی احمد علی محدث سہارنپوری: عالم، فاضل، فقیہہ، محدث، جامع منقول و معقول، حاویٔ فروع و اصول تھے، حفظِ قرآن کے بعد، علومِ عربیہ وغیرہ میں مشغول ہوئے اور اپنے ملک کے علماء و فضلاء سے علوم متداولہ حاصل کر کے دہلی میں مولانا محمد اسحٰقؒ محدث سے حدیث کو پڑھا اور ان سے سند لی، پھر حج کیا۔ اور حرمین شریفین کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی، پھر دہلی آ کر مطبع احمدی جاری کیا جو غدر تک بڑے زور و شور سے جاری رہا اور اس میں بڑی بڑی علمی کتابیں آپ کے اہتمام

---

[1] مولانا احمد علی سہارنپوریؒ حدیث کو یوں روایت کرتے ہیں:

أحمد علي عن الشيخ وجيه الدين عن الشيخ عبدالحئي بن هبة الله الصديقي البدهانوي المتوفى ۱۲۴۳ھ عن الشيخ عبدالقادر بن ولي الله الدهلوي۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کی سند حدیث ''حیات شبلی'' شائع کردہ مطبع المعارف اعظم گڑھ میں نقل کی ہے، اہل ذوق ناظرین وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] نزھۃ الخواطر جلد نمبر ۷، صفحہ نمبر ۴۳

[3] نزھۃ الخواطر جلد نمبر ۷، صفحہ نمبر ۴۳

[4] حدائق الحنفیہ، ص ۴۹۳

اور تحشی (حاشیہ) سے چھپتی رہیں، خصوصاً صحیح بخاری وغیرہ پر آپ نے عمدہ حواشی چڑھائے اور ان میں حنفی مذہب کی خوب تائید کی۔ علاوہ تحشیہ وتعلیقات کے ایک رسالہ "الدلیل القوی علی ترك القراءة للمقتدي" خوب تحقیق وتدقیق سے فارسی میں تصنیف فرمایا۔ جس کا ترجمہ اردو میں اب چھپا ہوا موجود ہے۔ [1]

علم وعمل، درس وتدریس، مال ودولت، آل اولاد، عزت وشہرت، اللہ نے سب ہی باتوں سے انہیں نوازا تھا۔ ہندوستان کے چوٹی کے علماء، فقہاء، ادباء، شعراء اور صوفیہ کو موصوف سے تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ اردو زبان کے نامور ادباء میں مولانا شبلی نعمانی، زہد وتقویٰ وشریعت وطریقت میں حضرت گنگوہیؒ وحضرت نانوتویؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور پیر مہر علی شاہؒ اور شاہ محمد سلیمان پھلواری وغیرہ، اور عربی زبان وادب میں مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ سب کو موصوف سے تلمذ کی نسبت حاصل ہے۔

کتبِ حدیث کی نشرواشاعت:

مولانا سید عبدالحیٔ لکھنویؒ "الثقافة الإسلامية في الهند۔" میں رقم طراز ہیں۔

ولهٗ مِنّة عظيمة علىٰ العلماء لأنهٗ صحّح الكتب واشاعها، لاسيّما صحيح البخاري، صحّحه، و علّق عليه بمالا مزيد عليه۔ [2]

مولانا احمد علیؒ کا علماء پر یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے حدیث کی کتابوں کی تصحیح کی اور مطبع احمدی سے ان کتابوں کی نشرواشاعت کی، خاص طور سے (دس برس) صحیح بخاری کی تصحیح کی اور اس پر ایسی تعلیقات لکھیں جن پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے مطبع احمدی [3] سے حدیث کی نشرواشاعت کا آغاز غالباً ۱۲۶۶ھ میں کیا تھا، اس لیے کہ آپ نے سب سے پہلے "سنن ترمذی" چھپوانا شروع کی تھی۔ ۱۲۶۶ھ سے پہلے وہ

---

[1] مذکورہ بالا رسالہ کا اردو ترجمہ مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ نے کیا جو لدھیانہ سے شائع ہوا تھا۔

[2] الثقافة الإسلامية في الهند: صفحہ نمبر ۱۴۰

[3] مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے مطبع احمدی شاہ رفیع الدینؒ کے نواسے ظہیر الدین سے خریدا تھا۔ جیسا کہ ان کی غیر مطبوعہ سوانح عمری میں مذکور ہے جو مولانا خدا بخش ملتانی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

مطبع العلوم دہلی سے طبع کی جاری تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک مطبع احمدی میں طباعت کا کام شروع نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ ''سنن ترمذی'' کی دوسری جلد کے آخر میں موصوف نے جو اختتامیہ تحریر فرمایا ہے وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔ ؎

شاہ محمد اسحاق کے شاگردوں میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کو توفیق الٰہی سے یہ سعادت ملی کہ انہوں نے صحاح ستہ کی دو اہم کتابوں (بخاری اور ترمذی) کی تصحیح کی اور ان پر تعلیقات لکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں بڑی برکت رکھی تھی، حدیث کا درس بھی دیا، حدیث کی چار اہم اور مقبول اہم کتابوں۔ (الف) صحيح البخاري (ب) سنن الترمذي (ج) مؤطا امام مالك اور (د) مشكوٰة المصابيح کی تصحیح وتعلیقات لکھنے اور نشر واشاعت کی سعادت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کو حاصل رہی ہے یہ ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کا فیض تاحال جاری وساری ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اصطلاح محدثین میں ضبط صدر اور ضبطِ کتابت ہر دو صفت سے آراستہ تھے، شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگردوں میں یہ صفات مولانا موصوف میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

حاشیۂ بخاری کی خصوصیات:

مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بخاری شریف کے حاشیہ میں جن باتوں کا اہتمام والتزام کیا وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۱۔ حدیث کی بہترین تشریح۔

۲۔ اختلاف روایات کی نشاندہی۔

؎ اختتامیہ کے الفاظ یہ ہیں: ''الحمد لله الذي وفّقنا بشروع طبع كتاب التّرمذي في مطبع العلوم الدّهلوي في شهر صفر ۱۲۶۵ من هجرة خير البشر صلى الله عليه وآله وسلم باهتمام السيد اشرف علي الواسطي، قيام مطبع الأحمدي سنة ۱۲۶۲ هـ، يقول العبد الضّعيف الرّاجي إلىٰ رحمة الولي احمد على السّهار نفوري، قدوقع الفراغ من طبع هٰذا الكتاب الشريف في المطبع الاحمدي. الواقع في الدهلي ثاني عشر من الصّفر سنة ستّ وستّين بعد الألف والمائتين من هجرة خير البشر عليه افضل الصلوات وأزكى التّحيّة ـ وإني مع قلّة الدّراية والبضاعة قد اجتهدت في تصحيحه وحلّ مطالبه بحسب الوسع والطّاقة. ثم لاحظ ثانياً بالملاحظة التّامة والمراجعة العامة الفاضل الاجل والحبر الأبجل، العالم بالخفي والجلي، مولانا مُحَمَّدَ مملوك العلي. فالمامول ممن ينظر فيه وينفع به ان لاينسانا من دعاء الخير. ولو اطلع علىٰ شيئي من الخطأ والزّلل، فينبغي أن يصلحهٗ ويسدّ الخلل، إن تجدعيباً فسُدّ الخللا، جلّ من لاعيب فيه وعلا ـ والله المستعان وعليه التكلان وآخر دعوانا أنِ الحمد لله ربّ العٰلمين، والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله محمّدٍ وآله وأصحابه أجمعين''

۳۔ غریب (کم استعمال ہونے والے) الفاظ کے معانی کی وضاحت۔

۴۔ راویانِ حدیث کے مختصر حالات کا بیان۔

۵۔ مواضع حدیث پر دلالت: یہ حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں مذکور ہے۔

۶۔ تراجم ابواب کی تشریح اور عنوانات سے حدیث کی مطابقت۔

۷۔ حدیث سے مستنبط ہونے والے مسائل کا بیان۔

۸۔ حنفی مسلک کی ترجمانی [1]

۹۔ مصطلحات حدیث کی تشریح۔

۱۰۔ مشکل الفاظ کے اعراب کا بیان۔

۱۱۔ ترکیب نحوی کی وضاحت۔

۱۲۔ شرح حدیث میں شارحین کے اختلاف میں فیصلہ کن بات۔ [2]

۱۳۔ بخاری کے نسخوں میں باہمی اختلاف کی نشاندہی۔

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے تحریر کردہ مقدمۂ بخاری کا اجمالی خاکہ:

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے اپنے مطبع سے جب بخاری شریف کو شائع کیا تو اس پر، ۲۷ فصول پر مشتمل نہایت مبسوط مقدمہ لکھا، جس کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے:

پہلی فصل میں امام بخاریؒ کی سوانح عمری ہے۔

دوسری فصل میں بخاری شریف سے متعلق اہم ابحاث کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

تیسری فصل میں تراجم ابواب کا بیان ہے۔

---

[1] ذكر البخاري في الترجمة: "قرأ الأحنف الكهف في الأولى و في الثانية بيوسف أو يونس، فعلّق عليه: وهذا مكروه عند الحنفية لأنّ رعاية ترتيب المصحف العثماني مستحبّة (حاشيه بخاری صفحه ۱۷۰ جلد ۱)

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں نقل کیا ہے: احنفؒ نے پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری رکعت میں سورۂ یوسف یا سورۂ یونس کی تلاوت کی۔" محدث سہارنپوریؒ نے اس کی توضیح میں کہا ہے: احناف کے نزدیک یہ (سورتوں کو غیر مرتب پڑھنا) مکروہ ہے کیونکہ مصحف عثمانی کی ترتیب کی رعایت حنفیہ کے ہاں مستحب ہے۔

[2] حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والأوجه أن يحمل حديث النفي على حالة السير وحديث الثبوت على حالة القرار، كما هو المختار من مذهبنا والله اعلم. (صحیح البخاري: صفحہ ۱۳۳، جلد ۱، حاشیہ نمبر ۵) کہ: بہترین توجیہ یہ ہے کہ: نفی کی حدیث کو حالتِ سیر پر محمول کیا جائے اور ثبوت کی حدیث کو حالتِ قرار پر جیسا کہ ہمارے ہاں مختار ہے۔ واللہ اعلم۔

چوتھی فصل میں بخاری شریف کے ۱۹ نسخوں اوران کی علامات کو بیان فرمایا ہے۔
پانچویں فصل میں "حدثنا"، "أخبرنا" اور "أنبأنا" وغیرہ کے مابین فرق کا بیان ہے۔
چھٹی فصل میں "اسناد معنعن" میں امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ کے باہمی اختلاف کی
وضاحت فرمائی ہے۔
ساتویں فصل میں بخاری شریف کے راویوں کے طبقات کا بیان ہے۔
آٹھویں فصل میں بخاری شریف کے ''متکلم فیہ راویوں'' کی طرف سے اجمالی دفاع ہے۔
نویں فصل میں صحیحین میں راویانِ حدیث کے جو نام بکثرت آئے ہیں ان کے اعراب کی
وضاحت ہے۔
دسویں فصل میں امام بخاریؒ کے چند خاص شیوخ کی نسبتوں کا بیان ہے۔
گیارہویں فصل میں اس امر کا بیان ہے کہ سند میں راوی کے نام کے بعد اس کے باقی نسب
کو بیان کرنے سے پہلے
"هو" یا "يعني" کا اضافہ کیوں کیا جاتا ہے؟
بارہویں فصل میں موجودہ زمانے میں اتصال سند کا فائدہ بیان فرمایا ہے۔
تیرہویں فصل صحابی اور تابعی کی تعریف کے بیان میں ہے۔
چودھویں فصل میں حدیث صحیح و حسن اور ضعیف اوران کی اقسام کا بیان ہے۔
پندرھویں فصل میں ان الفاظ کی تشریح کی ہے جو محدثین کے ہاں بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔
سولہویں فصل میں اس بات کا بیان ہے کہ صحابہ (رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين) کے
کس قسم کے اقوال کو حدیث مرفوع شمار کیا جاتا ہے۔
سترہویں فصل میں "اعتبار"، "متابعت" اور "شاهد" کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔
اٹھارہویں فصل میں "مثله" اور "نحوهٗ" کے فرق کی وضاحت کی ہے۔
انیسویں فصل میں بخاری کی معلَّق روایات یعنی وہ احادیث وآثار جنہیں امام بخاریؒ نے بغیر

سند کے ذکر کیا ہے یہی مختصر سا بیان ہے۔

بیسویں فصل میں ان ۶۴ کتابوں کی فہرست بیان کی ہے جو ان حواشی کی ترتیب میں موصوف کے پیش نظر رہی ہیں۔

اکیسویں فصل میں ان اصطلاحات کا بیان ہے جن کو محدثین "ضبطِ الفاظ" میں استعمال کرتے ہیں۔

بائیسویں فصل میں علم حدیث کے موضوع ومبادی کا بیان ہے۔

تیئسویں فصل میں "روایت حدیث بالمعنٰی" کے بارے میں بحث ہے۔

چوبیسویں فصل میں متن حدیث کے جملوں کو آگے پیچھے لانے کی وضاحت ہے۔

پچیسویں فصل میں "عن النبي ﷺ" اور "عن رسول الله ﷺ" کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرنے کا بیان ہے۔

چھبیسویں فصل میں حدیث شریف لکھنے کے متعلق چند اہم فوائد کا بیان ہے۔

ستائیسویں فصل میں نہایت اختصار کے ساتھ موصوف نے اپنی سندِ صحیح البخاری کا تذکرہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں اپنے اساتذہ شاہ محمد اسحٰقؒ اور شیخ وجیہ الدین کی سند ذکر کرتے ہوئے وہ سن تحریر نہیں کیا جس میں ان سے حدیث پڑھی۔

حاشیۂ موطأ امام مالک:

مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے مؤطا امام مالک کو بھی اپنی تعلیقات سے آراستہ کر کے پہلی بار مطبع احمدی دہلی سے شائع کیا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے مؤطا امام مالک کی عربی میں نہایت مبسوط شرح لکھی ہے اور مقدمہ میں تعلیق نگاروں کی بھی نشاندہی کی ہے ان میں مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی تعلیق کا تو ذکر کیا ہے مگر مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کی تعلیق موطا کا ذکر ان سے رہ گیا ہے حالانکہ وہ تو ان کے شیخ الشیوخ ہیں، مولانا احمد علیؒ نے جس طرح صحاح ستہ اور درسی کتابوں کو حل کیا اور اسی طرح مشکوٰۃ المصابیح

پر عربی تعلیقات لکھ کر خانوادہ شاہی کا فیض عام کیا۔ یہ ایسا کارنامہ ہے کہ اس سے موافق ومخالف ہر ایک یکساں فائدہ اٹھاتا ہے، ہندوستان کی سرزمین پر شیخ محمد طاہر پٹنیؒ کے بعد مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا نام وکام ایسا ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ درسِ نظامی کا ہر طالب علم اور استاد ان کا زیر بار احسان ہے، ضرورت ہے کہ کوئی ناشر ان کی تعلیقات کو کمپوز کر کے شائع کرے تاکہ پاک وہند کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں ان کا فیض عام ہو سکے۔ صحاح ستہ میں سے ان کے مطبع احمدی کی چھپی ہوئی دو کتابیں صحیح بخاری وسنن ترمذی میری نظر سے گزری ہیں، جب کہ موطأ امام مالکؒ کی فوٹو اسٹیٹ اور سنن ترمذی کا نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

برصغیر میں ''مختصر الجرجاني'' کی اشاعت:

سرزمین ہند میں اصولِ حدیث کے مشہور رسالہ ''مختصر الجرجانی'' کو پہلی بار ۱۲۶۴ھ میں سنن ترمذی کے ساتھ شائع کرنے کا فخر مولانا احمد علی سہارنپوری کو حاصل ہے، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے ۱۳۰۴ھ میں اس کی شرح ''ظَفَرُ الأَمَاني'' کے نام سے لکھی اور وہ ۱۳۰۴ھ میں لکھنؤ سے شائع کی گئی، اصول حدیث میں اس کتاب کو مدارس عربیہ کے نصاب میں قبول عام حاصل ہوا، اس لیے مولانا عبدالحیٔؒ نے ''ظفر الأماني'' میں یہ لکھا ہے: ''رأيت النّاس في هٰذا الزّمان قد اشتغلوا بدرسه وتدريسه ولم أرلهٔ شرحاً يكتفي لحلّ جليّه وخفيّه''۔ [1] کہ میں نے اس زمانے میں اہل علم کو دیکھا کہ وہ ''مختصر جرجانی'' کے پڑھنے پڑھانے میں لگے رہتے ہیں اور میں نے اس کی کوئی ایسی شرح نہیں دیکھی جو اس کے جلی وخفی مقامات حل کرنے میں کافی ہو تو میں نے ''ظفر الأماني'' لکھی۔

تاہم مولانا عبدالحیٔؒ نے اس امر کی طرف اشارہ تک نہیں کیا کہ یہ کتاب سب سے پہلے کس کی کوشش سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ اور ''مختصر الجرجانی'' کی اشاعت کا تذکرہ سیّد عبدالحیٔ لکھنویؒ سے بھی

---

[1] ظفر الامانی، ص ۲، شائع کردہ مطبع چشمہ فیض لکھنؤ، ۱۳۰۴ھ

''الثقافة الإسلامية''میں رہ گیا ہے۔[1]

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے عادات واطوار:

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ''حیاتِ شبلی''میں مولانا شبلی نعمانیؒ کا بیان نقل کیا ہے:

مولانا احمد علیؒ گھر کا سودا سلف خود خرید کرلاتے اور کسی طالب علم کو خواہ کتنا اسرار کرتا، خدمت کا موقع نہیں دیتے تھے۔

مولانا تکبیر اولیٰ کا اہتمام کرتے تھے۔

امامت نہیں کرتے تھے۔

مولانا احمد علیؒ بڑے متقی تھے، کھانے پینے میں بہت احتیاط کرتے تھے، مولانا بازار کے موسمی پھل بھی خرید کر نہیں کھاتے تھے اسلئے کہ باغ میں درخت پھل آنے سے پہلے خرید لئے جاتے ہیں جب اپنا باغ خریدا تب موسمی پھل کھانے لگے۔

اخیر زمانے میں ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۹۷ھ تک سات برس ''مظاہر العلوم'' میں دن بھر بغیر تنخواہ لئے پڑھاتے اور عصر کے بعد کمرے میں جاکر کمر سیدھی کرتے، وہاں طلبہ آبیٹھتے تھے لیکن کوئی اللہ والا طالب علم آجاتا تو اس کا احترام ملحوظ رکھتے، لیٹے سے بیٹھ جاتے،

چنانچہ ایک مرتبہ مولانا احمد علی مونگیریؒ آگئے مولانا فوراً بیٹھ گئے، صاحب ''مقاماتِ محمدیہ'' کا بیان ہے:

(مولانا سہارنپوریؒ) آپ (مولانا احمد علی مونگیریؒ) کی اس قدر عظمت کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا بعدِ عصر درس سے فارغ ہوکر مولاناؒ مکانِ نو تعمیر میں جاکر لیٹ جاتے تھے اور اکثر طلبہ ہمراہ جاکر قریب بیٹھ جایا کرتے تھے مگر جب حضرت (مونگیریؒ) تشریف لے جاتے تو فوراً اٹھ بیٹھتے تھے، حضرت (مونگیریؒ)

---

[1] اس مذکورہ بالا شرح کو اس زمانے کے دو بڑے عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور تقی الدین شائع کرنے کے درپے تھے، ''تقی الدین ندوی نے پہلے شائع کی اور ابوغدہ صاحب سے اس بات کو پوشیدہ رکھا، اس پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے تقی الدین پر سخت تنقید کی اور ان کی غلطیاں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اس مذکورہ بالا شرح کی وجہ سے علمی دنیا میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے بہت شہرت پائی۔ حیرت اس امر کی ہے کہ ہردو محقق شیخ ابوغدہ اور تقی الدین مظاہری ندوی نے اس امر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا کہ اس کتاب کی شرح دسویں صدی ہجری میں اس صدی کے ایک عالم شمس الدین تبریزی حنفی نے کی تھی جو مصر سے پہلی بار ۱۳۵۰ھ میں اور دوبارہ ۱۳۷۱ھ میں شرح دیباج المذہب فی مصطلح الحدیث کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔

نے ایک روز فرمایا: کہ جنابِ من! میں آپ کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں، سینکڑوں علماء آپ کے شاگرد ہیں، سن میں آپ میرے والد سے زائد ہیں، اس سن میں آپ تمام دن پڑھا کر اس وقت لیٹ جاتے ہیں اور پھر میری حاضری میں اٹھ بیٹھتے ہیں، اس کا جواب کچھ آپ (مولانا سہارنپوریؒ) نے نہیں دیا، مگر حضرت (مونگیریؒ) نے اس وقت کا حاضر ہونا چھوڑ دیا۔[1]

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کی عادت تھی کہ بعض اوقات فتاویٰ بھی اپنی کتاب ''سنن ترمذی'' میں رکھ لیتے تھے، ایک شخص نے استفتاء بھیجا جس میں معین ذابح کے بارے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسے بھی بسم اللہ کہنی ضروری ہے، چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:[2]

حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) نے جواب میں فرمایا کہ: ''جو شخص ذابح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر چھری چلانے میں شریک ہے، اس پر تو ''بسم اللہ'' کہنا واجب ہے اور ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر واجب نہیں ہے۔'' اور حضرت شاہ اسحٰقؒ کا ہند میں وہی خیال تھا (کہ معین ذابح پر بھی بسم اللہ کہنا واجب ہے) جیسا کہ نواب صاحب (نواب قطب الدین خان مرحوم) نے لکھا ہے مگر جب شاہ صاحب ہجرت کر گئے تو عرب میں ایک حنفی عالم کے سامنے (بندہ نام بھول گیا) جو بڑے فقیہ تھے، یہ استفتیٰ پیش ہوا، انہوں نے یہ جواب لکھا ہے کہ ''فقط ذابح پر واجب ہے۔'' اور یہ فتویٰ مولوی احمد علی صاحب کی ترمذی میں چسپاں تھا۔ ہم نے یہ فتویٰ مولوی صاحب کے پاس اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، عبارت یہ تھی:

''ربّ زدني علماً، بل علیٰ الذابح فقط۔''

﴿ ۱۰ ﴾ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ (۱۱۹۶ھ-۱۲۶۲ھ/۱۷۸۲ء-۱۸۴۶ء)

ابو سلیمان محمد اسحاق بن محمد افضل بن احمد عمری دہلوی، شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے تھے۔ ۱۱۹۶ھ میں دہلی میں ولادت ہوئی، یہیں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی زیر نگرانی بیٹے کی طرح تربیت پائی، درسی کتابیں شاہ

[1] سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ص ۲۷، تالیف سید محمد الحسنی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۰ء

[2] تذکرۃ الرشید، ۱/۱۳۹، ۱۴۰، شائع کردہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، ۱۴۰۶ھ

عبدالقادرؒ سے اور حدیث کی کتابیں شاہ عبدالعزیزؒ سے پڑھیں۔ انہی کی مسند علمی پر جانشینی کی سعادت نصیب ہوئی۔ خانوادۂ شاہی کا خزانۂ کتب انہی کو ملا اور انہی سے اہل علم کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ ۱۲۴۰ھ میں حج کیا، دیارِ رسول ﷺ کی زیارت کی، محدث و مسند مکہ شیخ علامہ عمر بن عبدالکریم بن عبدالرسول عطار مکی شافعی [1] (متوفی ۱۲۴۹ھ) سے حدیث کی سند لی۔ پھر ہندوستان آ کر ۱۶ برس حدیث پڑھائی، ۱۲۵۸ھ میں اپنے اہل و عیال اور بھائی شاہ محمد یعقوب کے ساتھ دوبارہ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے، پہلے حج و زیارت کی پھر مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی اور یہاں محدث یمانی شیخ محمد بن ناصر حازمی حسینی (۱۲۸۳ھ-۱۸۶۶ھ) نے موصوف سے حدیث کی سند لی۔

مولانا سید عبدالحی لکھنویؒ نے شاہ محمد اسحاقؒ کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

الشیخ الإمام العالم المحدّث [2]

ہندوستان میں جن نامور علماء کو موصوف سے تلمذ کا فخر حاصل ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی ثم مدنی
۲۔ سید عالم علی مرادآبادی
۳۔ مولانا نواب قطب الدین محی الدین دہلوی
۴۔ مولانا احمد اللہ بن دلیل اللہ
۵۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی
۶۔ قاری عبدالرحمٰن بن محمد پانی پتی انصاری
۷۔ مولانا عبدالقیوم بڈھانوی
۸۔ مولانا احمد علی سہارنپوری
۹۔ میاں نذیر حسین بن جواد علی بہاری ثم دہلوی
۱۰۔ مولانا اعظم حسین خیرآبادی

ان میں بہت سے ماہر و ممتاز ہوئے ہیں اور بہت سے علماء نے ان سے حدیث کی سند لی۔

[1] موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیے: فہرس الفہارس ۲/۲۹۶
[2] نزھۃ الخواطر، ۷/۵۱

مولانا سید عبدالحئی لکھنوی ؒ نزھۃ الخواطر میں لکھتے ہیں۔

واکثرھم نبغوا في الحدیث و اخذعنھم ناس کثیرون حتّٰی لم یبق في الھند سند الحدیث غیر ھٰذا السند ، وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء. [1]

شاہ محمد اسحاق ؒ کے بہت شاگردوں نے فن حدیث میں کمال پیدا کیا، یہاں تک کہ سرزمین ہند میں اس کے علاوہ کوئی اور سند قابل ذکر نہیں رہی، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔

مولانا شمس الحق ڈیانوی ؒ ''تذکرۃ النبلا'' میں لکھتے ہیں:

الحدیث طول عمری ماقلتُ ماقالہٗ وکان شیخہٗ الشیخ عمر بن عبدالکریم رحمہ اللہ یشھد بکمالیہ فی علم الحدیث ورجالہٖ وکان یقول: قدحلت فیہ برکۃ جدّہٖ الشیخ عبد العزیز الدّھلوي، وکان جدّہٗ الشیخ کثیراً ما یتلوھٰذہٖ الایۃ الکریمۃ "الحمدللہ الذي وھب لي علی الکبر اسمٰعیل واسحٰق۔" [2]

عمر بھر حدیث پڑھتا تو بھی وہ مرتبہ ومقام نہ پاتا جو موصوف نے پایا ہے، ان کے شیخ عمر بن عبدالکریم ؒ علم حدیث وفن رجال میں ان کے کمال کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ: ان کے نانا شیخ عبدالعزیز دہلوی ؒ کی برکت ان میں سرایت کرگئی تھی، یہ (اس کا اثر تھا)۔ ان کے نانا شاہ عبدالعزیز ؒ اکثر اوقات یہ آیت شریفہ پڑھتے رہتے تھے: "الحمدللہ الذي وھب لي علی الکبر اسمٰعیل واسحٰق۔" (کہ تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے ہیں)۔

مولوی فقیر محمد جہلمی ''حدائق الحنفیۃ'' میں شاہ محمد اسحٰق ؒ کے متعلق رقم طراز ہیں:

مولانا محمد اسحٰق دہلوی ؒ: آپ شاہ عبدالعزیز دہلوی ؒ کے نواسہ تھے، علوم فقہ وحدیث وتفسیر میں طاق، یگانہ آفاق، صاحب فتویٰ تھے............ وفات آپ کی ۱۲۶۲ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی، تاریخ وفات آپ کی ''اسحٰق، شیخ آفاق'' سے نکلتی ہے۔ [3]

---

[1] نزھۃ الخواطر، ۵۲/۷
[2] نزھۃ الخواطر، ۵۲/۷
[3] حدائق الحنفیہ، ص ۴۹۲

علامہ محسن الدین ترہتیؒ نے ''الیانع الجنی'' میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

الشیخ الأجلّ المحدّث ابو سلیمان إسحٰق بن بنت عبدالعزیز ، اخذ من جدّہٖ عبدالعزیز وجلس بعدہٗ مجلسہ ' ورفع من معاوز فقدہٗ وأفاد النّاس أحسن الإفادۃ، وأفاض علیھم من سجالہٖ وکان معروفا بالعلم والورع وغیر ذلک من الفضائل الجلیلۃ[1]

شیخ عظیم، محدث، ابوسلیمان اسحٰق بن بنت عبدالعزیز نے اپنے نانا شاہ عبدالعزیزؒ سے علم حاصل کیا اور شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد ان کے جانشین ہوئے، ان کے اٹھ جانے سے جو خلا واقع ہوا تھا، اسے پُر کیا، اہل علم کو خوب فائدہ پہنچایا اور اپنے علم سے انہیں فیضیاب کیا موصوف علم وتقویٰ اور دیگر کمالات وفضائل کے جامع تھے۔

ترجمۃ المشکوٰۃ لہٗ معروفۃ مرغوبٌ فیھا۔[2]

ان کے ترجمہ مشکوٰۃ کو شہرت حاصل ہے اور لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔

موصوف کی تصانیف میں سے ''مأۃ مسائل'' اور ''اربعین'' یادگار ہیں۔

شاہ محمد اسحٰقؒ کے معاصر سر سید احمد خان ''تذکرۂ اہلِ دہلی'' میں موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں:[3]

زبدۃ المحدثین جناب مولانا محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ: مخدومی، مخدوم الانامی، افضل الکرام، اشرف العظام، ملک سیرت، فرشتہ صورت، جامع رموز حقیقت وطریقت، مواظب اوامرِ شریعت، فخر علمائے دین، مسند المحدثین یگانہ آفاق، مولانا مولوی اسحٰق، آپ نواسہ ہیں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم قدس سرّہٗ کے، علم حدیث کو شاہ صاحب مبرور ومغفور کی خدمت میں حاصل کیا اور کامل بیس برس تک یہ فن شریف اور علم منیف ان کے حضور میں بیٹھ کر طلبۂ جدید الفکر کو پڑھایا۔[4]

---

[1] الیانع الجنی، ص ۶۰

[2] الیانع الجنی، ص ۷۰

[3] تذکرۂ اہل دہلی صفحہ ۸۱، مؤلف سرسید احمد خان مرحوم، تصحیح وتحشیہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو پاکستان۔

[4] شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات ۱۲۳۹ھ میں ہوئی، ۱۲۴۰ھ میں شاہ محمد اسحٰقؒ حج کے لئے تشریف لے گئے، سرسید کے بیان کے مطابق شاہ محمد اسحٰقؒ نے بیس برس شاہ عبدالعزیز کے سامنے علم حدیث وفنون کا درس دیا۔ گویا پچیس (۲۵) برس کی عمر میں ۱۲۱۹ھ میں پڑھانا شروع کیا اور پہلے حج سے واپس آ کر ۱۲۴۱ھ سے ۱۲۵۶ھ تک سولہ (۱۶) برس مزید ہندوستان میں درس دیا، ۱۲۵۸ھ میں ہجرت کی، دوسرے حج کے بعد آخر عمر تک تقریباً پانچ سال وہیں درس وتدریس حدیث میں مشغول رہے، ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی، گویا اپنی عمر مبارک کے تقریباً اکتالیس سال علم حدیث کی خدمت میں گزارے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

شاہ محمد اسحاق کے شاگرد، مولانا احمد علی سہارنپوریؒ حاشیۂ صحیح بخاری میں ان سے کہیں کہیں حدیث کی اچھی توجیہ نقل کرتے ہیں، مثلاً اسباغ وضو کی بحث میں فرماتے ہیں:

إسباغ الوضوء : الإسباغ علىٰ ثلثة انواع، فرضٌ : وهو إستيعاب المحلّ مرّةً مرّةً، وسنّةٌ: وهو الغسل ثلثاً ثلثاً ومستحبٌّ: وهو الإطالة، أي الزّيادة علىٰ اعضاء الوضوء۔ مولانامحمداسحٰقؒ۔[1]

مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ کے شاگردوں میں سے تین شاگردوں کے ثبت شائع ہوئے ہیں۔

۱۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے ثبت کا نام ''تحفۃ الاخوان باسانید سیدنا مولانا فضل الرحمٰن'' علامہ احمد ابوالخیر جمال عطار احمدی کی تعریف ہے اور ۱۳۰۶ھ میں اس کی کتابت حافظ علی حسین لکھنوی نے کی تھی یہ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے، علامہ عبدالحئی کتانی ''فہرس الفہارس'' میں اس کا خاص حوالہ دیتے ہیں۔

۲۔ مولانا محمد اعظم حسین صدیقی خیرآبادی (جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاء میں سے تھے) کا ثبت ہے اس کا نام ''الاسناد الاعظم باعلیٰ سند یوجد فی العالم'' ہے، یہ مطبع مجتبائی لکھنؤ سے محمد عبداللہ صدیقی نے شائع کیا تھا۔ یہ چالیس صفحات پر مشتمل ہے (اس کا ایک نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے) اس پر تاریخ طباعت درج نہیں۔

۳۔ میاں سید نذیر حسین بہاری ثم دہلوی کا ثبت مولانا شمس الحسن عظیم آبادی نے ''المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف'' کے نام سے مرتب کیا تھا، ۱۳۴۱ھ میں مطبع انصاری صاحب دہلی سے شائع کیا گیا تھا۔

مشہور عالم اور اردو کے نامور ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (۱۲۴۷ھ-۱۳۳۰ھ) نے علمی خانوادۂ شاہی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دینی و علمی خدمات اور کارناموں کا مختصر تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

''ایں خانہ تمام آفتاب است اس خاندان نے تو ہندوستان میں اسلام کی وہ خدمتیں کی ہیں کہ بس خدا ہی ان کی داد دے گا، میرا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ہندوستان کے اسلام کے حق میں ایسا کام کیا ہے جیسا کہ عرب کے اسلام کے حق میں

[1] (صحیح بخاری، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۲۵، حاشیہ نمبر ۱۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مہاجرین اور انصار نے کیا تھا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین...... پھر یہ مترجم قرآن (شاہ رفیع الدینؒ وشاہ عبدالقادرؒ) دلی میں پیدا ہوئے، ان کی بولی بجائے خود سند ہے۔

مجھ سے کسی معتبر نے روایت کی تھی کہ شیخ ابراہیم ذوقؔ (۱۲۰۴ھ-۱۲۷۱ھ) شروع شروع میں میاں نصیر (متوفی ۱۲۵۴ھ) سے مشورہ کیا کرتے تھے، پھر دونوں میں منافست پیدا ہوگئی تھی تو میاں ذوق بالالتزام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتے اور ان سے استفادہ سخن کرتے۔[1]

اس علمی خانوادۂ شاہی کے آخری نام دار شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ ثم مہاجر مکی تھے، جو اکابر دیوبند کے سرتاج ہیں۔ جس طرح شاہ ولی اللہؒ نے اپنے شیخ ابوطاہر کردی سے روایت حدیث کی سند لی، جس میں ابوطاہر کردیؒ نے عالم اسلامی کے اس دور کے نامور حفّاظ ومسندین سے اپنی سند کو زینت بخشی، اسی طرح شاہ محمد اسحٰقؒ دہلوی نے مکہ میں عمر بن عبدالرسول عطّار مکّی شافعیؒ کے واسطے سے اس عصر کے تمام عالم اسلامی کے نامور حفاظ ومسندین سے اپنی سند کو آراستہ کیا۔ یہ شاہ محمد اسحٰقؒ کی سند کی سب سے بڑی خوبی ہے کہ اس میں شاہ صاحبؒ کی طرح اس عصر کے تمام مسندین وحفاظ جمع ہوجاتے ہیں۔ یہ سعادت شاہ صاحبؒ کے واسطے سے اکابر دیوبند کو بھی حاصل ہے۔

موصوف (شاہ محمد اسحٰقؒ) نے سب سے پہلے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، ترجمہ بامحاورہ نہیں، لفظی ہے، معنی خیز وبرکت انگیز ہے، موصوف کے نامور شاگرد مولانا نواب قطب الدین خان (۱۲۱۹ھ-۱۲۸۹ھ) نے اردو میں مشکوٰۃ کی ''شرح مظاہر حق'' کے نام سے کی ہے، اس میں انہی کا اردو ترجمہ نقل کیا ہے پھر حدیث کی شرح کی ہے اس میں بھی شاہ محمد اسحٰقؒ دہلوی کے اسلوب وانداز کی پیروی کی ہے، اس ترجمہ وشرح میں اللہ نے جو برکت رکھی ہے اس کا ادراک وہی کرسکتے ہیں جو معنوی بصیرت سے بہرہ ور ہوں۔[2]

---

[1] مولوی نذیر احمد کے لیکچروں کا مجموعہ، ۲/۲۷، لیکچر ۲۴، شائع کردہ مفید عام آگرہ، ۱۹۱۸ء

[2] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

(۱) نزہۃ الخواطر ۷/۵۱، ۵۲ (۲) الیانع الجنی، ص ۶۰، ۶۱ (۳) حدائق الحنفیہ، ص ۴۷۴

﴿ ۱۱ ﴾ ملا محمد عابد سندیؒ (متوفی ۱۲۵۷ھ-۱۸۴۱ء)

حافظ محمد عابد بن احمد علی بن یعقوب انصاری سندھی ثم مدنی" شہر سیہون میں پیدا ہوئے موصوف کے دادا، شیخ الاسلام علی بن یعقوب سندھیؒ نے یمن کی طرف ہجرت کی اور ملا محمد عابد شہر زبید میں پیدا ہوئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا، وہاں سے صنعاً گئے اور وزیر کی بیٹی سے نکاح ہوا اور ایک مرتبہ صنعاً یمن کے والی عبداللہ مہدی نے ان کو مصر کے والی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ وہاں سے اپنے وطن سندھ قصبہ نواری میں واپس آئے پھر مدینہ طیبہ گئے اور حاکم مصر نے انہیں مدینہ منورہ کے علماء کا رئیس مقرر کیا پھر وہیں رہے مدینہ میں وفات پائی، ان کی اولاد نہ تھی، موصوف نے اپنا قیمتی کتب خانہ مدینہ منورہ میں وقف کیا تھا۔

صاحب فہرس الفہارس نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے:

هو محدّث الحجاز ومسندهٔ العالم الجامع المحدّث الحافظ الفقيه المتبحر الزاهد في الدّنيا وزخارفها محيي السنن حين عفت رسومها وهجرت علومها ......ولم يزل مجتهداً في بثّ السنن والصّبر علىٰ جفاء أبناء الزّمن والتصنيف والجمع ...... وكان ملّتهٔ مقامه بالمدينة مثابراً علىٰ إقرا كتب السّنّة حتّى إنّهٔ كان يختم الكتب السّتّة في ستّة أشهر۔[1]

وہ سرزمین حجاز کے محدث ومسند، جامع عالم، حافظ حدیث، متبحر فقیہہ دنیا کی زیب وزینت سے دور رہتے تھے، انہوں نے سنن وآثار کو اپنی تعلیقات وتشریحات سے ایسے زمانے میں ازسرنو زندہ کیا جب ان علوم کو چھوڑ دیا گیا تھا اوران کے نشانات مٹ چکے تھے اور اپنی سند کے ذریعہ ان کی نشرواشاعت کی، ہمعصروں کی ایذارسانی پر صبر کیا ہمیشہ تمام تر وقت کتب سنن وآثار کی تالیف وترتیب میں لگادیا...... آخر عمر تک، مدینہ میں لوگوں کو صحاح ستہ چھ ماہ میں ختم کراتے رہے۔

موصوف نے بہت سی تصانیف کا عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جن میں:

(۱) المواهب اللطيفة على مسند أبي حنيفة

(۲) شرح تيسر الوصول لابن الدبيع

---

[1] فہرس الفہارس جلد۲، صفحہ ۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲

(۳) شرح بلوغ المرام للحافظ ابن حجرؒ

اور سب سے مشہور ”حصر الشارد من أسانید محمدعابد“ ہے یہ مکتبہ الرشد سے خلیل بن عثمان الجبور السبیعی کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔[۱]

﴿۱۲﴾ محمد مظہر بن لطف علی صدیقی نانوتوی (۱۲۷۲ھ-۱۳۰۲ھ/۱۸۵۶ء-۱۸۸۵ء)

یہ اپنے وقت کے بڑے عالم فقیہ و محدث تھے۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی موصوف کے متعلق لکھتے ہیں: [۲]

”الشیخ العالم المحدث احدالعلماء المبرزین فی الفقه والحدیث“

شیخ عالم محدث اور فقہ و حدیث میں نمایاں علماء میں سے ایک ہیں۔“

مولانا مملوک علی، مفتی صدرالدین کشمیری ثم دھلویؒ اور شیخ رشیدالدین دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ حدیث شاہ محمد اسحاقؒ سے پڑھی تھی۔ فقہ کی کتاب غایۃ الأوطار کی تصحیح کی ہے۔ مظاہر العلوم میں فقہ حدیث، تفسیر اور کلام کی کتابیں پڑھاتے تھے۔

مولانا سید عبدالحیٔ لکھتے ہیں:

ثم تصدر للتدریس وافنی قواه فی تدریس الکتاب والسنة ونشر العلوم والفنون بمدرسة مظاهر العلوم فی سهارنپور فی شوال سنة ثلاث و ثمانین و مأتین و الف. [۳]

۱۲۸۳ھ سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدر مدرس بنائے گئے، کتاب وسنت کی تعلیم دینے میں اپنے آپ کو گھلا دیا اور علوم وفنون کی نشر واشاعت کی، ۱۳۰۲ھ میں انتقال ہوا۔

---

[۱] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ فہرس الفہارس جلد۲، صفحہ ۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲
۲۔ حدائق الحنفیہ۔ صفحہ ۴۷۳
۳۔ الاعلام للزرکلی، جلد۶، صفحہ ۱۷۹
۴۔ الیانع الجنی، صفحہ ۴۰-۶۱-۶۹-۷۳
۵۔ نزھۃ الخواطر جلد۷، صفحہ ۴۴۶-۴۴۹
۶۔ ابجد العلوم، صفحہ ۸۵۰
۷۔ الامام الفقیه المحدث الشیخ محمدعابد السندی رئیس علماء المدینة المنورة فی عصره، بقلم سائد بکداش، دارالبشائر الاسلامیہ، ۱۴۲۳ھ
۸۔ تذکرہ علماء ہند۔

[۲] نزھۃ الخواطر ۸/۴۵۵ [۳] نزھۃ الخواطر، ۸/۴۵۵

﴿ ۱۳ ﴾ مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ (متوفی ۱۳۱۴ھ-۱۸۹۶ء)

مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ نے درسیات کی کتابیں مولانا مملوک علیؒ اور مولانا رشید الدین دہلویؒ سے پڑھی تھیں اور تجوید اور قرأت سبعہ نیز مشکوٰۃ نامور قاری، فقیہ و محدث اور صوفی مولانا سید امام الدین امروہویؒ (۱۱۹۳ھ-۱۲۵۶ھ) سے پڑھی تھیں ان سے سلوک طے کیا تھا۔ پھر شاہ محمد اسحاقؒ سے حدیث پڑھی۔ ان کی عنایت وشفقت سے ان کے رازدان سمجھے جانے لگے اور انہی کے زیر تربیت ونگرانی، فتویٰ نویسی وتدریس کے اہل اور لائق ہوئے۔ مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ "نزہۃ الخواطر" میں موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

كان أفضل عصره في الفقه واعرفهم بطرقه [1] موصوف اپنے زمانے میں فقہ میں سب سے برتر تھے اور اس کے اصول کے سب سے زیادہ ماہر تھے۔

علم دوست نواب ذوالفقار الدولہ نے انہیں باندہ بلایا اور ۱۲۷۳ھ تک وہیں رہے پھر پانی پت آگئے اور یہاں پڑھاتے رہے، مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ کا بیان ہے:

وانتهت إليه رئاسة المذهب الحنفي و كان ورعاً تقيًا قانعاً مستحضر الفروع للمذهب مع الخبرة التّامة بالفقه والأصول، صارفاً جميع اوقاته بخدمة القران والحديث عمّ نفعه لأهل العلم ما من عالم من علماء الحنفيّة في عصره إلا اخذ عنهُ رحلتُ سنة ١٣١٢ هـ وسمعتُ المسلسل بالأوّليّة منه وقرأت عليه اوليات الشيخ محمد سعيد سنبل في نسخةٍ عليها خاتم الشيخ المحدّث إسحاق بن محمد أفضل الدهلوي فأجازني بجميع مروياته من

حنفی مذہب کی سیادت وقیادت ان پر ختم تھی اور قاری صاحبؒ پرہیزگار، متقی، صابر وقناعت پسند بزرگ تھے حنفی مذہب کے اصول اور جزئیات پوری مہارت کے ساتھ ان کے ذہن میں نقش تھے، وہ ہمہ وقت قرآن وحدیث کی خدمت میں لگے رہتے تھے اہل علم کو ان سے بہت فائدہ پہنچا، اس زمانے کا کوئی حنفی عالم ایسا نہیں ہے جس نے ان سے استفادہ نہ کیا ہو اور سند نہ لی ہو، میں ۱۳۱۲ھ میں سفر کر کے ان کی خدمت میں پہنچا اور مسلسل بالأولیۃ کا ان سے سماع کیا نیز اولیات شیخ محمد سعید سنبلؒ ان سے پڑھی، جس پر شاہ محمد اسحاقؒ فرزند شاہ محمد افضل دہلویؒ

[1] نزہۃ الخواطر: ۳۳۵/۸

مقروءاته ومسموعاته إجازة عامة تامة ودعالي بالبركة نفعنا الله ببركاته آمين له رسائل في الخلاف والمذهب [1]

کی مہر ثبت تھی موصوف نے مجھے اپنی تمام سنی اور پڑھائی ہوئی حدیثوں کی اجازت عام عطا کی، میرے لئے برکت کی دعا کی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی برکات سے بہرہ مند فرمائے، آمین اختلافی مسائل میں ان سے رسائل بھی یادگار ہیں۔

﴿۱۴﴾ مولانا عبدالعلی (۱۳۴۰ھ-۱۹۲۱ء)

مولانا عبدالعلی بن نصیب علی میرٹھی۔ میرٹھ کے گاؤں عبداللہ پور میں پیدا ہوئے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا احمد علیؒ، مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ وغیرہ سے پڑھا اور ایسا کمال بہم پہنچایا کہ ۱۳۱۲ھ میں مدرسہ حسین بخش دہلی میں صدر مدرس کے منصب پر انہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ بہت سے اہل علم نے ان سے پڑھا اور سند لی، مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ نے نزہۃ الخواطر میں ان کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا، الشیخ العالم الفقیه......پھر ۱۳۱۲ھ میں موصوف سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے بارے میں اپنے تأثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

كان كثير التواضع، طارحاً للتكلف، أليفا ودوداً، كثيرا الصدقة، موسراً، خرجت عليه جماعة من العلماء الكبار، وقرأ عليه الشيخ محمد اشرف على التهانوي والشيخ محمد انور شاه الكشميرى والشيخ حسين احمد الفيض آبادى وغيرهم۔ [2]

موصوف بہت متواضع، تکلف سے دور، الفت ومحبت سے پیش آنے والے تھے بہت صدقہ وخیرات کرتے تھے، دولت مند تھے، بڑے علماء کی جماعت نے ان سے پڑھا ہے جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا حسین احمدؒ فیض آبادیؒ وغیرہ ان قابل ذکر ہیں۔

دہلی میں شاہ ولی اللہ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

[1] نزہۃ الخواطر: ۳۶۸/۸

[2] نزہۃ الخواطر ۲۶۷/۸، دہلی اور اس کے اطراف، صفحہ ۵۷، تاریخ دارالعلوم صفحہ ۴۲-۴۳

﴿۱۵﴾ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (۱۲۶۹ھ-۱۳۴۶ھ/۱۸۵۲ء-۱۹۲۷ء)

موصوف انبیہٹہ میں پیدا ہوئے، علم کی تحصیل اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے کی، ادب مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ سے پڑھا۔ علوم کی تحصیل سے ۱۲۸۸ھ میں فراغت پائی پھر بھوپال، سکندر آباد، بہاولپور اور بریلی میں درس دیتے رہے، اس سے اہل علم کو فائدہ پہنچا۔ ۱۳۰۸ھ سے دار العلوم دیوبند میں پڑھانا شروع کیا پھر اس کے بعد ۱۳۱۴ھ میں مظاہر العلوم میں پڑھانا شروع کیا، ۱۳۱۵ھ سے صحاح ستہ پڑھانا شروع کیں، ۱۳۳۶ھ میں سرپرست مظاہر العلوم بنایا گیا۔ فراغت کے بعد اصلاحی تعلق مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے قائم کیا۔ ۱۲۹۷ھ میں حج کیا، زیارت حرمین سے مشرف ہوئے، مکہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زیارت کی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ہندوستان واپسی کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے بھی اجازت خلافت دی۔ [1] مکہ میں شیخ احمد دحلانؒ مفتی شافعیہ (متوفی ۱۲۹۷ھ) شاہ عبدالغنی بن ابوسعید مجددیؒ (متوفی ۱۲۹۶ھ) اور سیّد احمد برزنجیؒ (متوفی ۱۳۳۲ھ) سے اجازت حدیث لی۔ بھوپال میں شیخ عبدالقیوم بڈھانوی سے اور سہارنپور میں شیخ محمد مظہر نانوتویؒ (متوفی ۱۳۰۲ھ) سے حدیث کی سند لی اور تیس سال سے زیادہ عرصے تک یہاں تدریسی خدمت انجام دی۔ مولانا سیّد عبدالحیؒ لکھنویؒ نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وقد اجهد قواه وارهق نفسهٗ في المطالعة ......يصرف اكثر اوقاته في تلاوة القرآن......كان الشيخ خليل احمد له الملكة القوية و المشاركة الجيّدة في الفقه والحديث واليد الطولیٰ في الجدل والخلاف، والرسوخ التام في علوم الدّين والمعرفة واليقين، وكانت له قدم راسخة،	موصوف نے مطالعہ وتالیف میں اپنے نفس اور قوتوں کو گھلا دیا اور اپنے آپ کو مٹا رکھا تھا، زیادہ وقت قرآن کی تلاوت کرتے تھے شیخ خلیل احمدؒ کو فقہ وحدیث میں قوی ملکہ اور خوب مہارت وقدرت حاصل تھی، اختلافی مسائل اور مناظرہ میں انہیں کامل دستگاہ حاصل تھی دینی علوم میں بڑی پختگی و کامل معرفت حاصل تھی، طالبانِ سلوک کی تربیت،

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۷۴ - ۷۵

وباع طويل في إرشاد الطالبين، والدلالة على معالم الرّشد ومنازل السّلوك والتبصّر في غوامض الطّريق وغوائل النّفوس، صاحب نسبة قويّة، وإفاضات قدسية وجذبة إلٰهية۔ [1]

رشد وہدایت کی باتوں، سلوک کی منازل اور راہ طریقت کے رموز کی گہرائیوں اور نفوس انسانی کے مکروفریب اوران کی تباہ کن باتوں پر گہری بصیرت رکھتے تھے وہ بڑی قوی نسبت سے آراستہ تھے، فیضان الٰہی اور جذبہ الٰہیہ کی برکات سے بہرہ ور تھے۔

حضرتؒ تدریس وتالیف اور تحقیق ومطالعۂ حدیث میں عرصۂ دراز تک مصروف رہے، ۱۳۳۵ھ میں سنن ابوداؤد کی شرح ''بذل المجہود'' کی ابتدا کی اور ہمہ تن اس میں لگ گئے، دوران تالیف ہی حج کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لائے اور حج کیا، اس کے بعد ہندوستان واپس نہیں آئے اور شعبان ۱۳۴۵ھ میں بذل المجہود کی تکمیل مدینہ منورہ میں کی۔

موصوف نے سات حج کئے جن میں آخری حج ۱۳۴۴ھ میں کیا۔ [2]

مولانا نے بدھ کے دن بعد نماز عصر ۱۶/ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ اردو میں بھی بعض کتابیں موصوف سے یادگار ہیں۔ [3]

﴿۱۶﴾ شیخ حسب اللہ شافعی مکی (۱۲۴۴ھ-۱۳۳۵ھ/۱۸۳۶ء-۱۹۱۷ء)

شیخ محمد سلمان حسب اللہ شافعی مکی نابینا عالم، مفسر، محدث، مسند مکہ اور مصنف تھے متعدد کتابیں موصوف کی یادگار ہیں۔ [4]

موصوف کے شیوخ حدیث مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شیخ عبدالغنی دہلوی (۱۲۹۶ھ)

۲۔ شیخ عثمان بن حسن دمیاطی (۱۲۶۵ھ) [5]

---

[1] نزہۃ الخواطر، ۱۳۵/۸

[2] نزہۃ الخواطر ۱۳۶/۸

[3] موصوف کے حریہ حالات کے لئے دیکھئے: (۱) تذکرۃ الخلیل، (۲) تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۴۹، (۳) نزہۃ الخواطر ۱۳۳۸، ۱۳۳-۳۴ (۴) علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات جلد ۲ صفحہ ۷۶-۷۸

[4] الاعلام زرکلی، ۱۷۷/۲، معجم المطبوعات العربیہ ۱۵۲/۶، معجم المؤلفین ۳۹/۱۰

[5] فہرس الفہارس، ۷۷۶/۲

۳۔ شیخ عبدالغنی دمیاطی

۴۔ شیخ مصطفیٰ مبلّط (۱۲۸۴ھ)[1]

۵۔ شیخ محمد بن خلیل بن محمد بن غلبون اندلسی طرابلسی (تقریباً ۱۱۵۰ھ)[2]

۶۔ شیخ ابوالمحاسن محمد بن خیل قاوقجی (۱۳۰۵ھ)[3]

۷۔ شیخ حسین بن ابراہیم ازہری مکی (۱۲۹۲ھ)[4]

۸۔ شیخ برھان الدین السقا[5]

۹۔ شیخ الشہاب احمد دمیاطی[6]

۱۰۔ شیخ عبدالحمید داغستانی

۱۱۔ شیخ الشہاب احمد منۃ اللہ مالکی

حسب ذیل نامور علماء ان کے شاگرد ہیں:

۱۔ عبدالحیٔ بن عبدالکبیر کتانی (۱۲۸۲ھ)

۲۔ محمد بن سالم

۳۔ احمد بن ابراہیم بن عیسیٰ تبرکی سدیدی نجدی (۱۳۲۹ھ)

۴۔ احمد مکی (۱۳۳۵ھ)

۵۔ احمد امین بن عزوز

۶۔ محمد عبدالباقی لکھنوی (۱۳۶۴ھ)

۷۔ محمد قیام الدین لکھنوی (۱۳۴۴ھ)

۱۔ فہرس الفہارس، ۹۳۳/۲

۲۔ الاعلام، ۱۱۷/۶

۳۔ فہرس الفہارس، ۱۰۵/۱، الاعلام، ۱۱۸/۶

۴۔ الاعلام، ۲۳۰/۲

۵۔ الاعلام، ۸۹/۱، فہرس الفہارس، ۸۶/۱

۶۔ الاعلام، ۱۰۹/۷، فہرس الفہارس، ۲۱۴/۱ و ۲۲۹

﴿۱۷﴾ شیخ عبدالجلیل برّادہ (۱۲۴۳ھ-۱۳۲۶ھ/ ۱۸۲۷ء-۱۹۱۸ء)

عبدالجلیل بن عبدالسلام بن عبداللہ بن عبدالسلام برّادہ۔
یہ مدینہ کے شاعر ہیں، موصوف اصلاً مغربی (مراکشی) تھے، ان کے دادا اپنے والد شیخ جیدہ کے ساتھ ۱۱۴۵ھ میں فاس سے ہجرت کرکے مدینہ آئے اور یہیں قیام پذیر ہوگئے۔ عبدالجلیل مدینہ میں پیدا ہوئے، یہیں زندگی گزاری، دستورِ عثمانی کے اعلان کے بعد مکہ سے مدینہ لوٹتے ہوئے وفات پائی۔ بقیع میں مدفون ہیں۔

جب شیخ محمد محمود ترکزی شنقیطی حجاز میں آئے تو ان کی عبدالجلیل سے دوستی ہوگئی، لیکن باقی نہ رہ سکی پھر ہجویہ قصیدے لکھے گئے، ان کا ایک خطی دیوان بھی موجود ہے، انہیں عربی، ترکی، حبشی اور ہندوستانی زبانیں اچھی آتی تھیں۔ [1]

موصوف کے نامور شیوخ حسب ذیل ہیں

۱۔ احمد منۃ اللہ مالکی ازھری
۲۔ عبدالغنی دھلوی (۱۲۹۶ھ)
۳۔ اسماعیل بن زین العابدین (والد احمد برزنجی)
۴۔ سخاوت علی ہندی
۵۔ یوسف صاوی فریری مدنی
۶۔ محمد عابد بن احمد سندھی انصاری (۱۲۷۵ھ)

موصوف کے تلامذہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ عبدالحئی عبدالکبیر کتانی (۱۳۸۲ھ)
۲۔ احمد مکی (۱۳۳۵ھ)
۳۔ ابوعبداللہ محمد مکی بن مصطفیٰ بن محمد بن عزوز بری نفطی (۱۳۳۴ھ)
۴۔ ابن ظاھر، ابوحسن علی بن ظاہر وتری مدنی (۱۳۲۲ھ)
۵۔ احمد امین بن عزوز

---

[1] من سلسله، اعلام المدینة المنوّرة لمحمد سعید دفتردار، في جریدة المدینة، ۲۱ ربیع الثاني ۴ جمادی الثانیة ۱۳۷۹ھ، معجم الشیوخ ۲.۶۳.۲، ۶۶ وفیه وفاته ۱۳۲۷ھ وخروج جده من فاس إلیٰ المدینة ۱۱۴۱ھ وولادته ۱۲۴۲ھ الأعلام للزرکلي ۲۷۵/۳۔

﴿ ۱۸ ﴾ مفتی عثمان عبدالسلام بن محمد امین بن شمس الدین داغستانی

موصوف مدینہ منورہ میں حنفیہ کے فقیہ، محدث و مفتی تھے۔ یہ حنفی علماء کا خانوادہ تھا، ان کے باپ ''عبدالسلام'' داغستان کے شہر بشروان میں پیدا ہوئے تھے، ۱۱۴۰ھ میں ہجرت کر کے مدینہ میں قیام پذیر ہو گئے، یہیں تعلیم حاصل کی، صحیح بخاری پڑھانے پر توجہ رہی۔ چار جلدوں میں اس کی تعلیقات لکھی ہیں، جو نہایت باریک قلم سے ۸۴۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، ۱۱۶۰ھ میں اس کو مکمل کیا تھا، حرم نبوی مدینہ میں ۱۲۰۲ھ میں منصب تدریس پر ممتاز رہے۔ موصوف کی تصانیف میں ''خلاصۃ الجواہر فی طبقات الائمہ الحنفیۃ الأکابر''، قدوری کا حاشیہ اور شمائل ترمذی کی شرح یادگار ہیں۔ اور ان کے بیٹے شیخ عثمان کا شمار علماء محدثین میں ہوتا ہے، یہ مدینہ منورہ کے مشہور عالم، محدث اور مفتی تھے۔

عثمان کے بھائی عمر بن عبدالسلام (متوفی ۱۲۰۱ھ) عالم و شاعر اور مصنف تھے، موصوف نے مدینہ کے نامور معاصرین کا تذکرہ ''تحفۃ الدہر فی اعیان المدینۃ المنورہ من اہل العصر'' لکھی تھی جس کا نسخہ عارف حکمت کے کتب خانہ میں موجود تھا۔[۱]

موصوف کے نامور شیوخ درج ذیل ہیں:

۱: محمد بن عثمان دمشقی دومانی خطیب دوما۔

۲: عطیۃ قماش دمیاطی

۳: شیخ عبدالغنی دھلوی (۱۲۹۶ھ)

موصوف کے مشہور تلامذہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ عبدالحئی بن عبدالکبیر کتانی (۱۳۸۲ھ)

۲۔ احمد امین بن عزوز تونسی مدنی

۳۔ شیخ ابوخیر احمد بن عثمان بن علی جمال عطار مکی ھندی (نحو ۱۳۳۵ھ) [۲]

۱: الاعلام للزرکلی ۵/۵۰

۲: قال الزرکلی ''محدث عالم بالرجال''۔ (الاعلام ۱۶۸/۱) زرکلی نے موصوف کے متعلق کہا، یہ محدث، عالم اور رجال کے عالم تھے۔

﴿۱۹﴾ شیخ احمد بن اسمٰعیل بن زین العابدین برزنجی حسینی (متوفی ۱۳۳۲ھ-۱۹۱۴ء)

موصوف مدینہ منورہ میں شافعیہ کے بڑے عالم اور مفتی تھے۔ ان کے متعدد رسالے یادگار ہیں، جن میں ایک رسالہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب اور ایک رسالہ ''مقاصد الطالب فی مناقب علیؓ بن ابی طالب'' ہے۔ [۱]

موصوف کے مشہور اساتذہ:-

۱۔ والد سید اسماعیل برزنجی

۲۔ شاہ عبدالغنی دہلوی (۱۲۹۶ھ)

موصوف کے شاگرد:-

۱۔ علامہ شیخ محمد عبدالباقی بن علی بن محمد لکھنوی ثم مدنی (۱۲۸۶ھ-۱۳۶۴ھ)

۲۔ محمد قیام الدین عبدالباری بن عبدالوہاب لکھنوی (۱۲۹۵ھ-۱۳۴۴ھ)

۳۔ محمد بن عبدالرحمان

۴۔ محمد بن سالم [۲]

موصوف کا ثبت ''الاسعاد بالاسناد'' ۱۳۵۶ھ میں مکتبۃ القدسی ومطبعہ السعادۃ قاہرہ سے چھپ چکا ہے۔ مدینہ منورہ کے نامور عالم محمد ابراہیم ختنی ثم مدنی نے ۱۳۸۰ھ میں اس کا ایک نسخہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ کو ہدیہ دیا تھا۔

خاتمہ مسک:

مذکورہ بالا نفوس قدسیہ کی چند تابندہ صفات کے بیان پر اپنے مقالہ کا اختتام کرتا ہوں۔

۱۔ دیوبند کے مذکورہ بالا سب علمائ بلند پایہ مفتی وفقیہ تھے۔

۲۔ نامور محدث ومسند تھے۔

۱۔ معجم المؤلفین: ۱/۱۶۵، معجم المطبوعات العربیۃ

۲۔ فہرس الفہارس ۲/۵۷۹

۳۔ ان کے درسی افادات وحواشی اردو، عربی دونوں زبانوں میں زیور طبع سے آراستہ ہیں، اثبات و معجم شیوخ عربی میں مرتب وطبع ہوئے ہیں جو اس باب میں ان کی دقتِ نظر کے شاہد عدل ہیں۔

۴۔ ارشاد وسلوک میں اپنے وقت کے امام تھے ان کی تالیفات اس امر کی نہایت روشن دلیل ہیں آج بھی برابر شائع ہو رہی ہیں۔

۵۔ ان کے شاگردان کی حیات میں مدارس و جامعات میں افتاء وحدیث کے مسند پر جلوہ افروز تھے اور خانقاہوں میں مسندِ ارشاد وسلوک پر ممتاز تھے۔ متحدہ ہندوستان پھر ہند و پاک کے اطراف، نیز سینٹرل ایشیاء میں بھی افتاء وحدیث کی تدریس اور ارشاد کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔اب تو یورپ و امریکہ تک ان کے فیض کا سلسلہ جاری ہے۔

۶۔ یہ مجاہد تھے، حکومت سے برابر برسرِ پیکار رہے، حق گوئی وبیباکی ان کا شعار رہا ہے، اور قید و سلاسل کی مشقت بھی اٹھاتے رہے ہیں۔

۷۔ اور حدیث ''یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين'' [1] کے مصداق میں باطل فرقوں کی تردید میں پیش پیش رہے۔

۸۔ ان کے شاگردوں اور مجازین کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے۔

۹۔ ان کی شخصیت رُحلہ تھیں، ان کی طرف میراثِ رسول حاصل کرنے کیلئے دور دراز سے طالبانِ حق آیا کرتے تھے۔

۱۰۔ یہ علم کے ایسے ناپیدا کنار دریا تھے جو خود پیاسوں کے پاس جا کر ان کی پیاس بجھایا کرتے حالانکہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ پیاسے دریا کے پاس جاتے ہیں۔

۱۱۔ مسجد سے یونیورسٹی تک ان کا فیض عام ہے۔

ہم ہوئے، تم ہوئے، کہ میرؔ ہوئے
ان کے زلفوں کے سب اسیر ہوئے

[1] سنن کبریٰ بیہقی، ۲۰۹/۱۰، مشکوٰۃ ۸۲/۱، شائع کردہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ،
خمس رسائل فی علوم الحدیث جمع کردہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ص ۱۴۰-۱۳۳ شائع کردہ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۲۳ھ

۱۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اس علمی خانوادہ کی دوگونہ خدمات ہیں:

(۱) عمومی فیض (۲) خصوصی فیض

فیضِ خصوصی:

ان اربابِ صدق ووفا کے خصوصی فیض کا سرچشمہ ان کے علمی اور تحقیقی کارنامے، درسی تقریریں اور ان کے شاگردوں کے درس وتدریس کا وسیع سلسلہ ہے۔ اس سے ایشیاء، افریقہ، یورپ اور امریکہ بھی قال اللہ اور قال الرسول کے نور سے روشنی حاصل کررہا ہے۔ اور روحانی سلسلہ کا فیض بھی برابر جاری ہیں۔

فیضِ عمومی:

عمومی فیض کا دائرہ خصوصی فیض کے دائرے سے بہت زیادہ وسیع ہے، حضرت تھانویؒ کے مواعظ، ملفوظات اور حضرت مدنیؒ کے مکتوبات وتقاریر کا وسیع ذخیرہ اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی دعوت اور تبلیغی جماعت کا فیضان اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے تبلیغی نصاب، فضائل حج، فضائل صدقات وغیرہ ہیں اس سے معمولی پڑھا لکھا بھی اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ اٹھاتا رہتا ہے۔

آج انہی وجوہ سے ان حدیث وارشاد کی سند سب سے زیادہ احترام وعزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، اور اس کی حیثیت مسلّمہ ومقبول ہے۔

یہ وہ خصوصیات وامتیازات ہیں جن میں ہندوپاک میں ان کا کوئی سہیم وشریک نہیں ہے، دانشورانِ ہند اور نامورانِ اہل قلم ان کے خوانِ علم وطریقت میں ان کے زلّہ ربا ہیں۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۸/۵/ ۱۴۲۶ھ - ۲۶/۹/ ۲۰۰۵ء